

اِنسان اور رہبرِ انسانیت ﷺ

عقیدۂ رِسالت واتباعِ سُنّت کا بیان

تالیف : حافظ مبشّر حُسین حفظہ اللہ

عقائد کی خرابی کا باعث بننے والے علوم کا بیان

انسان اور رہبر انسانیت ﷺ

حافظ مبشر حسین

اریب پبلیکیشنز
1542، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔۲
فون: 23282550، 23284740 فیکس: 23267510

نام کتاب	:	انسان اور رہبر انسانیت ﷺ
تالیف	:	حافظ مبشر حسین حفظہ اللہ
ناشر	:	اریب پبلیکیشنز
صفحات	:	182
سن اشاعت	:	2012
قیمت	:	80/-

INSAN AUR RAHBAR-E-INSANIAT
Hafiz Mubashshar Hussain

ناشر

اریب پبلیکیشنز

1542، پٹودی ہاؤس' دریا گنج' نئی دہلی۔۲

فون: 23284740، 23282550، 43549461

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہم میں سے ہرایک کا بنیادی طور پر تین طرح کا تعلق ہونا چاہیے: ایک تو یہ کہ ہم آپ ﷺ پر صدقِ دل سے ایمان لائیں، دوسرا یہ کہ ہم آپ ﷺ سے دنیا جہاں کی ہر چیز سے بڑھ کر محبت کریں اور تیسرا یہ کہ ہم ہر ممکنہ حد تک آپ ﷺ کی اطاعت واتباع کریں۔ بظاہر یہ تین چیزیں ہیں یعنی آپ ﷺ پر ایمان، آپ ﷺ سے محبت اور آپ ﷺ کی اطاعت لیکن ضمناً ان میں بہت سی اور چیزیں بھی شامل ہیں مثلاً:

آپ ﷺ پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپؐ جو دین لے کر آئے اس پر بھی ایمان لایا جائے، آپ ﷺ کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے جو معجزات ظاہر فرمائے ان کو بھی سچا تسلیم کیا جائے، آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے نبی ہی نہیں بلکہ آخری نبی بنا کا بھیجا ہے، اسے بھی تسلیم کیا جائے۔ اسی طرح آپؐ سے محبت کرنے میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ کی ہر ہر اَدا اور ہر ہر سنت سے محبت کی جائے، قولی محبت بھی کی جائے اور عملی بھی، ظاہری محبت بھی کی جائے اور باطنی بھی۔ آپ ﷺ کے دوست اَحباب [صحابہؓ] سے بھی محبت کی جائے اور اہل وعیال سے بھی۔

یہ تینوں چیزیں...... یعنی آپ ﷺ پر ایمان، آپ ﷺ سے محبت اور آپ ﷺ کی اطاعت...... باہم اتنی مربوط ہیں کہ ان میں سے ایک کو تسلیم کیا جائے تو باقی خود بخود لازم آتی ہیں اور اگر ان میں سے کسی ایک کا انکار کر دیا جائے تو باقی کا انکار خود بخود لازم آتا ہے مثلاً آپ ﷺ پر ایمان لانے کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ سے دل وجان سے محبت بھی کی جائے اور آپ ﷺ سے محبت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری بھی کی جائے۔ جب کہ آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد آپ ﷺ سے اگر سچی محبت نہ کی جائے یا آپ ﷺ کی اطاعت واتباع نہ کی جائے تو ایسے ایمان کا کوئی فائدہ نہیں اور ایمان لائے بغیر آپ ﷺ سے محبت وہمدردی کا اظہار بھی بے فائدہ ہے۔

بعض لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کا صرف کلمہ پڑھ لینا ہی نجات کے لیے کافی ہے اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ﷺ سے محبت کا اظہار ہی کافی ہے خواہ آپ ﷺ کی اطاعت کی جائے یا نہ۔ جبکہ بعض اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ فلاں گروہ یا فرقے میں شامل ہو جانا ہی نجات کی علامت ہے اور جو اس فرقے میں شامل نہ ہو اس کی نجات مشکل ہے......!!

راقم الحروف یہ سمجھتا ہے کہ اگر حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنے تعلق کی بنیادوں کو سمجھ لیا جائے تو مذکورہ بالا تمام غلط فہمیوں کا ہمیشہ کے لیے ازالہ ممکن ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہمارے تعلق کی بنیادیں یہی تین ہیں یعنی: آپ ﷺ پر ایمان، آپ ﷺ سے محبت اور آپ ﷺ کی اطاعت۔ جو شخص ان تین بنیادوں پر اپنی زندگی کی عمارت استوار کر لے وہ کامیاب ہے اور جس نے ان بنیادوں میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کر دیا، وہ ناکام ہے، قطع نظر اس سے کہ اس کا تعلق کس مسلک، فرقے اور قبیلے سے ہے......!

زیر نظر کتاب میں حضور نبی کریم ﷺ کے ساتھ تعلق کی انہی بنیادوں کو قرآن مجید اور صحیح و مستند احادیث کی روشنی میں واضح کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہمارا تعلق چونکہ تین طرح کا ہے، اس لیے اس کتاب کو بھی تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

○ پہلا باب حضور نبی کریم ﷺ پر ایمان کے بارے ہے، اس میں درج ذیل موضوعات شامل ہیں:

۱)......آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

۲)......آپ ﷺ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں اور جنوں کے لیے رسول ہیں۔

۳)......آپ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔

۴)......آپ ﷺ معصوم اور بے گناہ تھے۔

۵)......آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا۔

۶)......آپ ﷺ اللہ کی طرف سے سچا دین لے آکر آئے۔

۷)......آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے سچے معجزات عطا کیے گئے۔

○ دوسرا باب نبی کریم ﷺ سے محبت کے بارے میں ہے، اس میں درج ذیل موضوعات شامل ہیں:

۱)......آپ ﷺ سے محبت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے!

۲)......آپ ﷺ سے کتنی محبت کی جائے؟

۳)......آپ ﷺ سے محبت کیوں کی جائے؟

۴)......آپ ﷺ سے اظہارِ محبت کا طریقہ کیا ہے؟
۵)......آپ ﷺ سے محبت کے تقاضے اور علامتیں کیا ہیں؟
۶)......آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنا
۷)......آپ ﷺ کی محبوب چیزوں سے محبت اور مبغوض سے نفرت
۸)......آپ ﷺ کی سنت کی نصرت ومحافظت
۹)......آپ ﷺ کی اَزواج اور آل سے محبت
۱۰)......آپ ﷺ کے جانثار اور وفادار صحابہؓ سے محبت
۱۱)......آپ ﷺ کے دشمنوں سے نفرت
۱۲)......آپ ﷺ سے عقیدت واحترام
۱۳)......گستاخِ رسول کون؟

○ تیسرا باب نبی ﷺ کی اطاعت واتباع کے بارے ہے، اس میں درج ذیل موضوعات شامل ہیں:

۱)......اطاعتِ رسول ﷺ کے بارے چند اُصولی باتیں
۲)......اطاعتِ رسول ﷺ قرآنِ مجید کی روشنی میں
۳)......اطاعتِ رسول ﷺ اَحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں
۴)......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اطاعتِ رسول ﷺ
۵)......صحابیاتؓ اور اطاعتِ رسول ﷺ
۶)......اطاعتِ رسولؐ میں سستی اور غفلت دکھانے والے کیساتھ صحابہ کا رویہ
۷)......تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ کرامؒ اور اطاعتِ رسول ﷺ
۸)......رائے واجتہاد اور حدیث وسنت
۹)......سنت اور بدعت

ان موضوعات وعناوین کے تحت سنت ورسالت سے متعلقہ تمام اہم مسائل پر قرآن وحدیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں پائی جانے والی مختلف غلط فہمیوں کا اِزالہ کرتے ہوئے نہایت عام فہم اسلوب میں نبی کریم ﷺ سے محبت اور آپ کی سنت پر عمل کا جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اللہ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے اور عمل کی توفیق دے، آمین!......[حافظ مبشر حسین]

صاحبِ تصنیف ......ایک نظر میں

نام : حافظ مبشر حسین

تاریخ پیدائش: 21-01-1978[لاہور]

دینی تعلیم: [دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث تینوں مکتبِ فکر کے علماء و مدارس سے استفادہ]

1989-90	حفظ القرآن
1991-92	تجوید وقرأت، ترجمہ قرآن، عربی گرائمر
1992-99	درس نظامی+وفاق المدارس[الشهادة العالمية]ممتاز درجہ میں

عصری تعلیم:

1996	میٹرک[فرسٹ ڈویژن]
1999	ایف۔اے[فرسٹ ڈویژن]
2001	بی۔اے[اے گریڈ، پنجاب یونیورسٹی]
2004	ایم۔اے[اسلامیات، اے گریڈ، پنجاب یونیورسٹی]
2004	پی ایچ ڈی[فقہ اسلامی، پنجاب یونیورسٹی، زیر تکمیل]

تدریسی وتحقیقی ذمہ داریاں:

1999-2000	جامعه الدعوة الاسلامية مریدکے، لاہور
2000	جامعه الدراسات الاسلامية ، کراچی
2001-2004	اسلامك ريسرچ كونسل ،ماهنامه محدث، لاہور
2004-2005	پریسٹن یونیورسٹی، لاہور کیمپس

تصنیف وتالیف:

1- تقریباً 50 تحقیقی مضامین[فکر ونظر، دعوة، محدث، ترجمان القرآن، ایشیا وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں]
2- 20 کتابیں شائع ہو چکی ہیں[مزید زیر طبع وزیر تالیف ہیں]
3- نیز مختلف کتابوں کے تراجم وحواشی، تخریج وتحقیق وغیرہ۔
4- مختلف دینی رسائل وجرائد سے قلمی تعاون، علمی وادارتی مشاورت۔
5- مبشر اکیڈمی کے نام سے دینی لٹریچر کی نشر واشاعت کے ادارہ کی نظامت۔ وللّٰه الحمد!

آئینہ کتاب



مقدمة الكتاب:

رسالت ونبوت اوراس کی ضرورت واہمیت

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے دوسرا عقیدہ، عقیدۂ رسالت (ایمان بالرسالة) ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے تمام رسولوں اور نبیوں پر ایمان لایا جائے کہ وہ اللہ کے سچے پیغمبر تھے، ان پر بذریعہ وحی اللہ کی طرف سے اَحکام نازل ہوتے تھے، اوران میں سے ہر نبی کی اطاعت وفرمانبرداری کا اللہ نے حکم دیا تھا۔

سب سے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اوراب قیامت تک کے لیے صرف آپؐ ہی کی اطاعت واتباع کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ پہلے نبیوں کی لائی ہوئی شریعتوں اوراَدیان کے مقابلے میں اب صرف آپؐ ہی کے لائے ہوئے دین وشریعت (یعنی اسلام) پرعمل کیا جائے گا کیونکہ آپ کواللہ تعالیٰ نے ایسی کامل واکمل شریعت سے نوازا ہے جس نے پہلی تمام شریعتوں کی ضرورت کوختم کردیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ آپ کوایک کامل شریعت دے کر پہلے نبیوں کی شریعتوں کواللہ تعالیٰ نے منسوخ فرمادیا۔ اس لیے اب ہدایت ورہنمائی کا مأخذ صرف اورصرف اسلام ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ﴾[سورة آل عمران:١٩]

''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین، اسلام ہی ہے۔''

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾[آل عمران:٨٥]

''جوشخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''

رسولوں اورنبیوں کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کواپنی عبادت اوراطاعت کے لیے پیدا کیا ہے۔انسانوں سے اللہ تعالیٰ کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق زندگی بسر کریں، اسی تقاضے کو پورا کرنا عبادت کہلاتا ہے

مگر انسانوں کو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ زندگی کے فلاں معاملہ میں اللہ کا حکم یہ ہے اور فلاں میں یہ......؟!
یہی بتانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں اور نبیوں کا انتخاب فرمایا، چنانچہ ہر معاشرے اور قوم میں سے اللہ تعالیٰ نے صالح ترین شخص کو اپنا نمائندہ اور سفیر (یعنی رسول، نبی) منتخب کیا اور وحی کے ذریعے اس پر اپنے اَحکام نازل کیے تا کہ وہ ان اَحکام کو دوسرے لوگوں تک پہنچائے اور خود بھی ان پر عمل کر کے یہ بتائے کہ ان اَحکام پر اس طرح عمل کرنا ہے۔

لوگوں تک اپنے اَحکام پہنچانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں یہ سب سے بہتر طریقہ تھا ورنہ اللہ تعالیٰ چاہتے تو کسی پہاڑ پر آسمانی صحیفہ رکھ کر بھی یہ مطالبہ کر سکتے تھے کہ......''لوگو! فلاں پہاڑ پر تمہارے لیے کتابِ ہدایت رکھ دی گئی ہے، جاؤ اسے حاصل کرو اور اس میں دیے گئے احکام پر عمل کرو۔''......یا کسی فرشتے کے ہاتھ میں اپنا پیغام بھیج کر بھی یہ تقاضا کر سکتے تھے کہ......''لوگو! اس کے پاس جو پیغام ہے، اسے وصول کرو اور اس پر عمل شروع کر دو۔''

اس کے علاوہ اور بھی کوئی صورت اختیار کی جاسکتی تھی مگر ظاہر ہے ایک قوم ہی کے پاکیزہ ترین شخص کو رسول بنا کر اور اس کی زندگی کو دیگر لوگوں کے لیے واجب الاتباع بنا کر یہ مقصد جس حسن وخوبی سے حاصل کیا جا سکتا تھا، وہ کسی اور صورت میں ممکن نہ تھا۔ چنانچہ لوگوں کو زندگی اور عبادت کے صحیح طور طریقے بتانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں نبی اور رسول بھیجے۔

۱)......لوگوں کی ہدایت کے لیے ہر امت میں رسول بھیجے گئے:

اللہ کی طرف سے ہدایت و رہنمائی چونکہ تمام انسانوں کی بنیادی ضرورت تھی اس لیے اس مقصد کی خاطر روزِ اول ہی سے اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ شروع کر دیا اور دنیا کا کوئی خطہ اور کوئی قوم ایسی نہ چھوڑی، جہاں اس نے اپنا کوئی نبی یا رسول نہ بھیجا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱)......﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا﴾[سورة النحل:٣٦]
''بے شک ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا ہے۔''

۲)......﴿ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾[سورة فاطر:٢٤]
''کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جس میں ڈرسنانے والا [پیغمبر] نہ گزرا ہو۔''

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ قائم نہ فرماتے تو لوگ گمراہی میں بھٹکتے

اور خواہشاتِ نفس کی پیروی میں ایک دوسرے سے اختلاف اور لڑائی جھگڑا کرتے رہتے کیونکہ

۱)......عقلِ انسانی اپنی تمام تر ذہانت وذکاوت کے باوجود خیر وشر میں کلی طور پر تمیز نہیں کرسکتی، ایک ہی چیز ایک فرد یا معاشرے میں اگر خیر وبھلائی کی علامت ہوتی تو عین وہی دوسروں کے ہاں شر اور برائی کا محور سمجھی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ نبیوں کی تعلیمات سے محروم معاشروں میں خیر وشر کے پیمانے بدلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ خیر وشر میں فرق واضح کرنے کے لیے نبیوں کو بھیجا گیا۔

۲)......غلبۂ شہوت، خودغرضی اور مفاد پرستی کے پیشِ نظر انسان حق وصداقت اور امانت ودیانت کے تقاضے پورے نہیں کرپاتا بلکہ اپنی خواہشات کے منہ زور گھوڑے کے سامنے مجبور ہوکر رہ جاتا ہے۔ اس لیے انسانوں کی ذاتی خواہشات کو حق وباطل کا معیار قرار دینے کی بجائے انبیاء کو بھیجا گیا۔

۳)......جس طرح بیماری میں انسان کے منہ کا ذائقہ بدل جاتا ہے اور وہ میٹھے کو بھی کڑوا اور ترش خیال کرتا ہے، بالکل اسی طرح انسان کی روحانی وملکوتی قدروں کا بگاڑ اس کے لیے حق وباطل اور خیر وشر کے پیمانے بدل کر رکھ دیتا ہے۔ ان روحانی قدروں کی اصلاح کی خاطر نبیوں کو بھیجا گیا۔

پس یہی وہ وجوہات ہیں جن کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ نے حق وباطل اور ہدایت ورہنمائی کا فیصلہ خود انسان کی عقل وخواہش پر نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس مقصد کے لیے نبی اور رسول بھیجنا ضروری سمجھا۔ اس پہلو سے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انبیاء کی بعثت لوگوں کے لیے باعثِ رحمت تھی۔

۲)......لوگوں پر حجت تمام کردینے کے لیے رسول بھیجے گئے:

رسولوں کی بعثت کی دوسری ضرورت یہ تھی کہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے اَحکام لوگوں تک پہنچا کر ان پر حجت پوری کردینا چاہتے تھے تاکہ روزِ آخرت اللہ کی عدالت میں کوئی انسان یہ نہ کہہ سکے کہ......''یا اللہ! ہم نے تیرے اَحکام پر اس لیے عمل نہ کیا کہ ہمارے پاس نہ تو کوئی نبی اور رسول پہنچا اور نہ ہی کسی نے تیرے پیغام سے ہمیں آگاہ کیا......!''

رسولوں کی بعثت کے اس مقصد کو قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا ہے:

۱)......﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾[النساء:١٦٥]

''اور ہم نے رسول بنائے، خوشخبریاں سنانے والے بھی اور متنبہ کرنے والے بھی، تاکہ رسولوں کے بھیجنے کے بعد لوگوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت اور الزام نہ رہ جائے۔'' [کہ اللہ نے رسول نہ بھیجا]

۲)......﴿وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ آيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى﴾[سورة طٰهٰ:۱۳٤]

''اگر ہم اس سے پہلے ہی انہیں عذاب سے ہلاک کر دیتے تو یقیناً یہ کہہ اٹھتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم ذلیل و رسوا ہونے سے پہلے تیری آیتوں کی تابعداری کرتے۔''

رسولوں کے آنے کے بعد جن لوگوں نے ان کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل نہ کیا اور اللہ کی نافرمانی ہی میں مرگئے، انہیں جب قیامت کے دن سزا کے لیے جہنم میں ڈالا جائے گا تو وہ غلط بیانی کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکیں گے کہ ہمارے پاس رسول یا ان کی تعلیمات نہیں پہنچی تھیں بلکہ وہ اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے یہ کہیں گے کہ ہم ہی ظالم تھے جنھوں نے نبیوں کی تعلیمات پر عمل نہ کیا۔ قرآن مجید نے روزِ قیامت کا یہ نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

۱)......﴿كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾[سورة الملك:۸ تا ۱۱]

''جب بھی جہنم میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو جہنم کے داروغے اس سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس ڈرانے والا کوئی نہیں آیا تھا؟ وہ جواب دیں گے کہ بے شک آیا تھا لیکن ہم نے اسے جھٹلایا اور ہم نے کہا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ [انہیں کہا جائے گا] تم بہت بڑی گمراہی میں ہو۔ اور یہ جہنمی کہیں گے کہ اگر ہم سنتے ہوتے یا عقل رکھنے والے ہوتے تو (آج) بھڑکتی ہوئی آگ میں جانے والوں کے ساتھ (شریک) نہ ہوتے۔ چنانچہ وہ اپنے جرم کا اقرار کرلیں گے۔ پس دوری ہے ان دوزخیوں کے لیے۔''

۲)......﴿وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتّٰى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِيْنَ قِيْلَ ادْخُلُوْا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ﴾[سورة الزمر:۸۱،۸۲]

''کافروں کے غول کے غول جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے، جب وہ جہنم کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور وہاں کے نگہبان [فرشتے] ان سے سوال کریں گے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے رسول نہیں آئے تھے؟ جو تم پر تمہارے رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ یہ جواب دیں گے کہ ہاں یہ درست ہے۔ لیکن [آج] عذاب کا حکم، کافروں پر ثابت ہو گیا۔''

نبی اور رسول معاشرے کے پاکیزہ ترین لوگ ہوتے تھے:

نبوت ایک وہبی چیز ہے کسبی نہیں یعنی یہ ایسی چیز نہیں جو محنت وریاضت کے بعد کسی بھی انسان کو حاصل ہو جائے بلکہ یہ ہر اُس شخص کے لیے اللہ کا خاص فضل ہوتا ہے جسے نبوت سے سرفراز کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تخلیق سے پہلے ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ کس شخص کو نبوت ورسالت کے انعام سے نوازا جائے گا اور جس کے بارے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے نبوت کا فیصلہ کر دیا ہو، اسے اللہ تعالیٰ انسانی خواہشات کا مادہ ہونے کے باوجود ہر ایسے عمل سے بچا لیتے ہیں جو نبوت ورسالت کے مقام ومرتبہ کے منافی ہو۔ اس کی نبوت ورسالت کے بعد کی زندگی جس طرح بے داغ ہوتی ہے اسی طرح نبوت ورسالت سے پہلے کی زندگی بھی برائی کے شائبہ سے پاک ہوتی ہے۔ اسے ہی عِصْمَتِ اَنْبِيَاء کہا جاتا ہے۔ یعنی تمام انبیاء ورسل انتہائی پاکیزہ، متقی اور صالح اَفراد ہوتے ہیں۔ اپنے معاشرے میں بھی وہ معزز، باکردار اور بے داغ ہوتے ہیں اور اللہ کی نگاہ میں بھی وہ منتخب اَفراد ہوتے ہیں۔ اس بارے چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

۱)...... سورۃ الانعام میں چند ایک نبیوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ كُلًّا هَدَيْنَا...... كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ...... وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ...... وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ...... ﴾ [سورة الانعام: آيات ٨٤ تا ٨٧]

''ہر ایک کو ہم نے ہدایت سے نوازا...... یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے...... ہر ایک کو ہم نے تمام جہان والوں پر فضیلت دی...... اور ہم نے انہیں مقبول بنایا اور ہم نے انہیں راہِ راست کی ہدایت کی۔''

۲)...... سورۃ الانبیاء میں چند پیغمبروں کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴾ [سورة الانبياء: ٧٢، ٧٣]

''اور ہرایک کوہم نے صالح بنایا۔اورہم نے انہیں پیشوابنادیا کہ ہمارے حکم سے لوگوں کی رہبری کریں اورہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اورنمازوں کے قائم رکھنے اورزکوٰۃ دینے کی وحی (تلقین) کی،اوروہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔''

۳)......اسی طرح سورۃ صٓ میں حضرت ابراہیمؑ ،حضرت اسحاقؑ اورحضرت یعقوبؑ کے بارے فرمایا:

﴿ وَاذْكُرْ عِبٰدَنَا اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ اِنَّا اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ﴾ [سورۃ ص:٤٥تا٤٧]

''ہمارے بندوں ابراہیم،اسحاق اوریعقوب کا بھی لوگوں سے ذکر کرو،جو ہاتھوں اورآنکھوں والے تھے۔ہم نے انہیں ایک خاص بات یعنی آخرت کی یاد کے ساتھ مخصوص کردیا تھا۔یہ سب ہمارے نزدیک برگزیدہ اوربہترین لوگ تھے۔''

۴)......سورۃ صٓ ہی کی اگلی آیت میں یہی بات حضرت اسماعیل اورحضرت اَلْیَسَعُ کے بارے بھی کہی گئی ہے۔

۵)......اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے بارے ارشادفرمایا:

﴿ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾[سورۃالبقرۃ:١٣٠]

''ہم نےتو اسے دنیامیں بھی برگزیدہ کیا تھااورآخرت میں بھی وہ نیکوکاروں میں سے ہے۔''

۶)......اسی طرح حضرت موسیٰؑ کوخطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نےفرمایا:

﴿ اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ﴾[الاعراف:١٤٤]

''میں نے پیغمبری اوراپنی ہم کلامی کے ساتھ دوسرےلوگوں پرتمہیں برتری عطافرمادی ہے۔''

قرآن مجید میں مختلف انبیاء اوران کی قوموں کاذکرکیا گیا ہے۔ان میں سے کوئی قوم ایسی نہیں جسے اپنے نبی کی نبوت ورسالت سے پہلے اس کے اَخلاق وکردار کےحوالے سے کسی قسم کااعتراض رہا ہو بلکہ کسی نے اگراعتراض کیابھی تووہ نبوت ملنے کے بعدہی کیااوروہ بھی محض تعصب اورہٹ دھرمی کے نتیجہ میں،ورنہ اپنے نبی کے اَخلاق وکردار،شرافت وصداقت،امانت ودیانت،اورنیکی وراست بازی کے وہ دل سے معترف تھےمثلاً نبی اکرمؐ کےاخلاق وکردارسے کفارمکہ اتنامتاثر تھے کہ نبوت سے پہلے چالیس سال تک وہ آپ کوصادق اورامین ہی کہا کرتے تھےمگرجب آپ نے نبوت کااعلان کیاتو یہی لوگ ہٹ دھرم بن

کرآپ کی ذات کے خلاف طرح طرح کا پروپیگنڈا کرنے لگے۔

اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام کی شرافت، ذہانت، اچھائی اور نیکی کی وجہ سے ان کی قوم ان سے بڑی امیدیں وابستہ کیے ہوئے تھی مگر جب حضرت صالح علیہ السلام نے یہ اعلان کیا کہ مجھے اللہ نے پیغمبر بنا دیا ہے تو ان کی وہی قوم ان کے خلاف ہوگئی۔ اس واقعہ کی طرف قرآن مجید نے اس طرح اشارہ کیا ہے:

﴿ قَالُوا يَصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴾[سورۃ هود: ٦٢]

''انہوں نے کہا اے صالح! اس سے پہلے تو ہم تجھ سے بڑی امیدیں لگائے بیٹھے تھے، کیا تو ہمیں ان کی عبادت سے روک رہا ہے جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے چلے آئے ہیں؟ ہمیں تو اس دین میں حیران کن شک ہے، جس کی طرف تو ہمیں بلا رہا ہے۔''

حاصل کلام یہ کہ انبیاء ورسل اپنی قوم اور معاشرے کے صالح ترین افراد ہوتے تھے اور انہیں اللہ کی طرف سے معصومیت کا درجہ دیا جاتا تھا جبکہ ان کے علاوہ کسی اور بڑے سے بڑے شخص کو بھی یہ درجہ نہیں ملتا۔ انبیاء ورسل کے معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو نبوت ورسالت سے پہلے ان سے کوئی ایسا عمل سرزد ہوا جو مقامِ نبوت کے منافی ہو اور نہ ہی نبوت ملنے کے بعد انہوں نے کسی ایسے فعل کا ارتکاب کیا جو ان کی نبوت کو مشکوک ٹھہرا سکتا تھا بلکہ انبیاء ورسل شروع ہی سے اللہ کی خصوصی پناہ میں رہے اور مرتے دم تک اللہ تعالیٰ ان کی خصوصی حفاظت فرماتے رہے تاکہ وہ نبوت ورسالت کی اس عظیم ذمہ داری کو بحسن وخوبی پورا کریں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا انتخاب فرمایا ہے، چنانچہ تمام انبیاء نے اپنی نبوت ورسالت کی ذمہ داری کو کماحقہ پورا فرمایا۔ اللہ ان سب پر اپنی بے پناہ رحمتیں نازل فرمائے، آمین!

نبیوں اور رسولوں کی تعداد؟

جب سے اللہ نے یہ دنیا آباد کی، تب سے آج تک کتنی نسلیں اور تہذیبیں اس دھرتی پر آباد ہوئیں اور کتنی اپنا نام ونشان چھوڑے بغیر مٹ گئیں، اس بارے انسانی تاریخ خاموش ہے۔ گویا اَن گنت قومیں اور نسلیں اس دنیا میں آباد رہی ہیں اور قرآن مجید کے بیان کے مطابق ہر امت اور قوم میں نبی پیدا کیے جاتے رہے ہیں مگر ان کی حتمی تعداد کتنی تھی، اس بارے قرآن مجید تو خاموش ہے جبکہ حدیث کی چھ معتبر کتابیں [صِحَاحِ سِتّہ] میں بھی ان کے بارے کوئی روایت نہیں ملتی۔ البتہ ان کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں ایک روایت

ملتی ہے جس کے مطابق اللہ کے رسولؐ نے انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی ہے جن میں سے تین سو تیرہ [یا بعض راویوں کے بقول: تین سو پندرہ] وہ ہیں جنہیں کتاب [آسمانی صحیفہ، شریعت] بھی دی گئی۔ یاد رہے کہ اس روایت کی صحت واستناد کے بارے اہلِ علم کا اختلاف ہے۔[1]

قرآنِ مجید میں مذکور انبیاء:

انبیاء کی کل تعداد جتنی بھی تھی، ان میں سے چوبیس (۲۴) انبیاء ایسے ہیں جن کا قرآن مجید میں نام لے کر ذکر کیا گیا ہے اور ان کے نبی ہونے میں کسی صاحبِ علم نے اختلاف نہیں کیا۔ آئندہ سطور میں ہم ان انبیاء کے صرف نام درج کر رہے ہیں، جبکہ وہ انبیاء جن کا تذکرہ قرآن مجید نے نام لیے بغیر اشارۃً کیا ہے یا ان کا نام تو لیا گیا ہے مگر ان کے نبی ہونے میں اہل علم کا اختلاف ہے، ان کا یہاں ذکر نہیں کیا جا رہا:

۱)......حضرت آدم علیہ السلام

۲)......حضرت نوح علیہ السلام

۳)......حضرت ادریس علیہ السلام

۴)......حضرت ھود علیہ السلام

۵)......حضرت صالح علیہ السلام

۶)......حضرت ابراہیم علیہ السلام

۷)......حضرت اسماعیل علیہ السلام

۸)......حضرت اسحاق علیہ السلام

۹)......حضرت لوط علیہ السلام

۱۰)......حضرت یعقوب علیہ السلام

۱۱)......حضرت یوسف علیہ السلام

۱۲)......حضرت شعیب علیہ السلام

۱۳)......حضرت موسیٰ علیہ السلام

---

(۱) [مسند احمد (ج۵ ص۱۷۸) مستدرك حاكم (ج۲ ص۵۹۷) مجمع الزوائد (ج۱ ص۱۵۹) حافظ ابن کثیرؒ نے اس سلسلہ کی ایک روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: تفسیر ابن کثیر (ج۲ ص۴۰۴) البداية والنهاية (ج۱ ص۹۷)]

۱۴)......حضرت ھارون علیہ السلام

۱۵)......حضرت الیاس علیہ السلام

۱۶)......حضرت داؤد علیہ السلام

۱۷)......حضرت سلیمان علیہ السلام

۱۸)......حضرت ایوب علیہ السلام

۱۹)......حضرت اَلْیَسَعُ علیہ السلام

۲۰)......حضرت یونس علیہ السلام

۲۱)......حضرت زکریا علیہ السلام

۲۲)......حضرت یحیٰی علیہ السلام

۲۳)......حضرت عیسٰی علیہ السلام

۲۴)......حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کا نامِ نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید میں چار جگہ بیان ہوا جبکہ سورۃ الصف [آیت ۶] میں آپ کا دوسرا مشہور نام یعنی احمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی مذکور ہے۔اس کے علاوہ آپ کے کئی ایک صفاتی نام بھی قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں مگر ان صفاتی ناموں کی کل تعداد کتنی ہے،اس بارے اہل علم کی آراء مختلف ہیں۔لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی صفاتی نام کی نسبت سے پہلے ضروری ہے کہ اس کی کوئی مستند دلیل بھی پیش کی جائے۔

کیا آج کے ترقی یافتہ دور میں رسولوں کی تعلیمات کی کوئی ضرورت نہیں؟

سائنس اور ٹیکنالوجی کی موجودہ پیش رفت کی وجہ سے یہ دھوکا نہیں ہونا چاہیے کہ شاید آج انسانیت نبیوں اور رسولوں کی تعلیمات سے مستغنی ہوگئی ہے۔نہیں،ہرگز نہیں......!

۱)......اول تو اس لیے کہ ٹیکنالوجی کی تمام تر ترقی کے باوجود کسی انسان کے لیے آج بھی یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنے مادی علم کی بنیاد پر خدا کی رضا کا ٹھیک ٹھیک نسخہ تجویز کر سکے کیونکہ نہ تو وہ اس علم کی بنیاد پہ خدا تک رسائی پا سکتا ہے اور نہ ہی خدا کی طرف سے اس پر کوئی وحی آسکتی ہے۔گویا اس کے مادی ذرائعِ علم اس سلسلہ میں اس کے کسی کام نہیں آسکتے خواہ یہ ذرائع آج کی نسبت کہیں زیادہ ترقی کر جائیں،اس کے باوجود انسان انبیاء ورسل کا ہمیشہ محتاج رہے گا اس لیے کہ انبیاء ورسل ہی وہ واحد ہستیاں ہوتی ہیں جن پر اللہ کی طرف سے

وحی [خدائی پیغام] نازل ہوتا ہے اور لوگوں کی ہدایت ورہنمائی سے متعلقہ اَحکام سے صرف انہیں ہی آگاہ کیا جاتا ہے۔

۲)......دوسری بات یہ ہے کہ انسانی ترقی محض مادی ترقی کا نام نہیں بلکہ مادی ترقی سے زیادہ ضروری اَخلاقی وروحانی ترقی ہے اور اس سلسلہ میں نبیوں اور رسولوں نے جو تعلیمات پیش کر دی ہیں، ان سے کامل و مکمل تعلیم کوئی اور پیش نہیں کر سکتا اور اس اَخلاقی وروحانی ترقی کی منزلیں اس وقت تک طے نہیں کی جا سکتیں جب تک نبیوں اور رسولوں کی بتائی ہوئی تعلیمات کی مکمل پیروی اختیار نہ کی جائے۔

۳)......تیسری وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ہر عقلمند انسان اپنے لیے کسی جامع شخصیت کو ماڈل بناتا ہے، جبکہ نبیوں اور رسولوں کے علاوہ کوئی شخصیت ایسی نہیں جو جامع کمالات کہلا سکے اور اس میں کسی قسم کا نقص اور عیب نہ پایا جاتا ہو۔ دنیا میں نبیوں کے علاوہ جتنے بڑے لوگ گزرے ہیں ان میں ذاتی خوبیوں کے مقابلے میں نقائص وخامیاں بھی کچھ کم نہ تھیں۔ ان کی شہرت اور مقبولیت کی بڑی وجہ ان کی کسی خاص خوبی کا غالب آجانا تھا مثلاً کوئی صرف ذہانت ہی کی وجہ سے مشہور ہوا، کوئی صرف سخاوت کی وجہ سے، کوئی صرف شجاعت کی وجہ سے، کوئی صرف سیاست کی وجہ سے، کوئی صرف عدل وانصاف کی وجہ سے اور کوئی صرف حکمت و دانائی کی وجہ سے، مگر ان میں سے کوئی شخصیت ایسی نہ ہوئی جو بیک وقت ساری خوبیوں کے ساتھ متصف ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے مشاہیر کی زندگی کا ایک آدھ پہلو جتنا زیادہ مشہور ومقبول ہوا، باقی پہلو اتنے ہی تاریک اور غیر مقبول رہے۔ حتیٰ کہ ان کی زندگی کے باقی پہلو ایسے ہیں جنہیں مثالی حیثیت سے پیش ہی نہیں کیا جا سکتا۔ خلاصہ یہ کہ انبیاء کے علاوہ کوئی ہستی ایسی نہ تھی جنہیں دوسرے انسان ہر لحاظ سے اپنے لیے نمونہ بنا سکیں۔

انبیاء ورسل میں خاتم النبیین کا مقام:

مذکورہ بالا تینوں پہلوؤں [وحی، اخلاقی وروحانی تعلیمات اور کامل ومکمل نمونہ] کے لحاظ سے جب ہم انبیاء و رسل کی زندگیوں اور ان کی تعلیمات کا تجزیہ کرتے ہیں تو بلا تعصب حضرت محمد ﷺ ہمیں سب انبیاء ورسل سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم بالاختصار ان تینوں پہلوؤں کے لحاظ سے ایک تقابل پیش کرتے ہیں:

ا)......وحی کے پہلو سے تقابل:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وحی تو تمام انبیاء ورسل پر آتی رہی مگر ان انبیاء کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد ان کی طرف آئی ہوئی وحی محفوظ حالت میں موجود نہ رہی، جبکہ آنحضرت ﷺ چونکہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے آخری نبی تھے، اس لیے آپ پر جو وحی نازل ہوئی وہ بھی آخری ہونے کی وجہ سے اپنی کامل شکل میں تھی اور یہ وحی چونکہ قیامت تک کے لیے تمام لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ تھی، اس لیے تا قیامت اس کی حفاظت کی بھی اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ داری اٹھائی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ پر بذریعہ وحی جو کچھ نازل ہوا، وہ آج بھی امت مسلمہ کے پاس اپنی اسی شکل میں محفوظ ہے جس میں وہ نازل ہوا تھا۔

یاد رہے کہ دیگر انبیاء ورسل کے معجزات کے مقابلہ میں آپ ﷺ نے اپنی وحی (قرآن) کو اپنا ایک اہم ترین معجزہ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ

((مَا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ نَبِیٌّ اِلَّا اُعْطِیَ مِنَ الْاٰیَاتِ مَا مِثْلُهٗ آمَنَ عَلَیْهِ الْبَشَرُ وَاِنَّمَا کَانَ الَّذِیْ اُوْتِیْتُهٗ وَحْیًا اَوْحَاهُ اللّٰهُ اِلَیَّ فَاَرْجُوْ اَنْ اَکُوْنَ اَکْثَرَهُمْ تَابِعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ))[1]

''ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ دیا گیا تا کہ لوگ اس پر ایمان لائیں جبکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے 'وحی' کا معجزہ عطا کیا، یہ اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوئی اور مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز دیگر انبیاء کے مقابلے میں میرے تابعدار زیادہ ہوں گے۔''

اس حدیث میں یہ بتانا مقصود ہے کہ دیگر انبیاء کو جو معجزات ملے وہ تو ان کے زمانے تک محدود تھے اور ان کے فوت ہو جانے کے ساتھ ان کے وہ معجزات بھی ختم ہو گئے مگر آپؐ کا ایک معجزہ یہ وحی [قرآن] ہے جو آپؐ کے بعد بھی اپنی معجزانہ حیثیت میں موجود ہے اور تا قیامت موجود رہے گا۔ اور اس کا یہ چیلنج بھی موجود رہے گا کہ جو اس کتاب کو اللہ کی نازل کردہ سچی کتاب نہیں سمجھتا وہ اس کے پائے کی کتاب بنا لائے۔ اسی ضخامت کی پوری کتاب اگر نہیں لا سکتا تو اس کی سورتوں جیسی دس سورتیں یا ایک ہی چھوٹی سی سورت بنا لائے مگر تاریخ گواہ ہے کہ نہ تو کفارِ مکہ اس چیلنج کا جواب دے سکے اور نہ ہی گزشتہ چودہ صدیوں میں کوئی اور اس کے مقابلے پر آسکا اور خود اس کتاب کے نازل کرنے والے کا یہی فیصلہ ہے کہ اس چیلنج کا جواب نہیں دیا جا سکتا! لیکن گزشتہ انبیاء کی طرف آنے والی وحی میں تحریف کی وجہ سے ان کے بارے یہ چیلنج نہیں دیا جا سکتا......!

(۱) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی واول ما نزل (ح ٤٩٨١)]

۲)...... اخلاقی وروحانی تعلیمات کے پہلو سے تقابل:

وحی کی طرح اَخلاقی وروحانی تعلیمات بھی سبھی انبیاء کو دی گئیں مگر آنحضرت ﷺ کے علاوہ دیگر انبیاء ورسل کی طرف نازل ہونے والی وحی چونکہ اصل شکل میں محفوظ نہ رہی ،اس لیے ان کی اَخلاقی وروحانی تعلیمات بھی دنیا میں ہمیں نہیں ملتیں اور اگر کچھ ملتی بھی ہیں تو وہ بھی اپنی اصل شکل میں نہیں بلکہ اس میں بھی بہت زیادہ تحریف ہو چکی ہے۔پھر اس تحریف شدہ میں بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جو ایک طرف اگر اَخلاقیات کے سخت منافی ہیں تو دوسری طرف انبیاء ورسل جیسی معصوم شخصیتوں سے ان کا ارتکاب منسوب کیا گیا ہے۔طرفہ تماشا یہ ہے کہ ان شنیع وقبیح اعمال کی نسبت بھی ان لوگوں نے اپنے نبیوں کی طرف کی ہے جو خود کو ان کا امتی کہلاتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانا اپنے نبیوں کی تعلیمات کے منافی سمجھتے ہیں۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ جن نبیوں کی طرف ان کی نام نہاد امتوں نے بعض خلافِ مکارم باتوں کی نسبت کی ہے،قرآن مجید نے اس نسبت کی بعض جگہ صاف تردید کر دی اور نبیوں کا دامن اس سے مبرا قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اخلاقی وروحانی تعلیمات اس وقت صرف اور صرف اس دین اسلام میں محفوظ ہیں جو آخری نبی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ پر نازل کیا گیا۔

۳)...... کامل ومکمل نمونہ کے پہلو سے تقابل:

تیسرے پہلو کے لحاظ سے جب ہم انبیاء کا تقابل کرتے ہیں تو تب بھی حضرت محمد ﷺ ہی کی زندگی ہمیں ہر لحاظ سے کامل ومکمل نمونہ دکھائی دیتی ہے کیونکہ دیگر انبیاء ورسل کو جو شریعت دی گئی وہ یا تو مخصوص زمانے اور خاص حالات کے لیے تھی یا پھر مخصوص اَقوام کے لیے،جبکہ آنحضرت ﷺ کو دی گئی شریعت ایک تو ساری دنیا کے انسانوں کے لیے ہے اور دوسری یہ کہ یہ اب قیامت تک کے لیے ہے۔زمان ومکان میں کیسا ہی تغیر وتبدل رونما ہوتا رہے،آپ کی دی ہوئی ہدایات میں ہر لحہ اور ہر لحظہ رہنمائی موجود ہے کیونکہ آپؐ نے اپنی عملی زندگی میں ایسے جامع اصول چھوڑے ہیں کہ ان کی روشنی میں تا قیامت پیش آمدہ مسائل میں رہنمائی لی جا سکتی ہے۔

علاوہ اَزیں آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ہمیں بیک وقت حکومت وسیاست،معیشت واقتصاد،تہذیب وتمدن،تعلیم وتربیت،اَخلاق وکردار وغیرہ کے حوالے سے جامع تعلیمات ملتی ہیں جبکہ دیگر انبیاء کی سیرت

وسوانح کے سلسلہ میں جو کچھ آج دستیاب ہے، اس کے مطالعہ کے بعد ہم بے خوف تردید یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان انبیاء ورسل کی زندگیوں میں یہ تمام پہلو بیک وقت ہمیں نہیں ملتے۔

معلوم ہوا کہ آپؐ کے طرزِ حیات میں بلاقید ہر زمانے اور بلاتفریق ہر شخص کے لیے نمونہ واُسوہ (Model) موجود ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں آپ کی ذاتِ گرامی کے بارے یہ کہا گیا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[سورة الاحزاب:٢١]

''بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔''

آئندہ صفحات میں ہم حضور نبی کریم ﷺ کے فضائل ومناقب کے بارے میں بخاری ومسلم کی چند صحیح اَحادیث بھی ذکر کررہے ہیں تا کہ ہم ایک ہلکا سا اندازہ کرسکیں کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے باقی انبیاء و رسل کے مقابلہ میں کتنی زیادہ فضیلتیں عطا فرمائی تھیں۔

ان فضیلتوں سے متعلقہ اَحادیث سے ہرگز یہ نہ سمجھا جائے کہ ہم حضور کے مقابلہ میں معاذ اللہ دیگر انبیاء و رسل کی تحقیر کررہے ہیں یا انہیں کمتر اور بے حیثیت ثابت کرنا چاہتے ہیں بلکہ انبیاء کے درمیان ایسا تقابل کرنے سے خود ہمارے حضور ﷺ نے منع فرمادیا ہے کہ جس سے بعض انبیاء کی اہانت وکمتری کے ساتھ دوسرے انبیاء کی برتری ثابت کی جائے۔ ورنہ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں سب انبیاء کو افضل، ممتاز اوراعلیٰ درجہ پر فائز تسلیم کرتے ہوئے ان میں سے سرفہرست اور افضل ترین پیغمبر کے بارے رائے دینا منع نہیں۔ قرآن مجید میں بھی بعض انبیاء کو دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں اُولُوا الْعَزْم قرار دے کر ان کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور خود نبی کریمؐ نے بھی اپنے بارے میں یہ کہا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے سب [نبیوں، رسولوں اور دیگر لوگوں] سے افضل اور تمام اولادِ آدم کا سردار بنایا ہے۔

علاوہ ازیں گزشتہ بحث سے ہمارا مقصود یہ واضح کرنا بھی تھا کہ دیگر انبیاء کے مقابلے میں اب ہمارے نبی ﷺ ہی لائق اتباع ہیں، اگر کوئی شخص سارے انبیاء ورسل کی فرمانبرداری کرلے مگر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی غلامی وفرمانبرداری سے بے رُخی کرے تو وہ روزِ آخرت کامیابی پانے والوں کی صف میں کھڑا نہ ہوسکے گا۔

اللہ ہمیں تمام انبیاء پر ایمان لانے کے ساتھ اپنے آخری نبی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی اطاعت واتباع کی بھی توفیق عطا فرمائے، آمین!

نبی کریم ﷺ کے فضائل ومناقب

اختصار کے پیش نظر صرف بخاری ومسلم کی صحیح احادیث پر اکتفا کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کے فضائل و مناقب کے بارے چنداُحادیث ذیل میں ذکر کی جارہی ہیں:

۱)......حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''مجھے بنی آدم کے ہر دور کے بہترین طبقوں[نسلوں] میں یکے بعد دیگرے منتقل کیا جاتا رہا حتی کہ میں اس موجودہ دور میں پیدا ہوا۔''(۱)

○ مطلب یہ کہ نبی اکرم ﷺ کا سلسلۂ نسب شروع سے آخر تک نہایت معزز خاندانوں اور شریف لوگوں پر مشتمل رہا۔ وہ کون سے لوگ تھے، آئندہ حدیث میں خود آپؐ نے اس کی طرف اشارہ کردیا ہے۔

۲)......واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیلؑ کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا، پھر کنانہ سے قریش کو منتخب کیا، پھر قریش سے بنو ہاشم کو منتخب کیا اور پھر بنو ہاشم سے مجھے منتخب کیا۔''(۲)

۳)......حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس کی قبر کھلے گی، نیز سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی۔''(۳)

۴)......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے دن دوسرے پیغمبروں کے مقابلہ میں میرے ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی، اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جو جنت کے دروازے کو کھٹکھٹائے گا۔''(۴)

۵)......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) [صحیح بخاری، کتاب المناقب،باب صفة النبی ﷺ (ح۳۵۵۷)]

(۲) [صحیح مسلم، کتاب الفضائل،باب فضل نسب النبیؐ و تسلیم الحجر علیه (ح۲۲۷۶)ترمذی(ح۳۶۰۶)]

(۳) [صحیح مسلم، کتاب الفضائل ،باب تفضیل نبیناﷺ علی جمیع الخلائق(ح۲۲۷۸)]

(٤) [صحیح مسلم، کتاب الایمان،باب قول النبیﷺ:انااول الناس یشفع فی الجنة......(ح۱۹٦)]

"میں قیامت کے دن جنت کے دروازے کے پاس آؤں گا اور اسے کھولنے کے لیے کہوں گا تو [جنت کا] دربان فرشتہ پوچھے گا: آپ کون ہیں؟ میں جواب دوں گا کہ میں محمد ﷺ ہوں۔ وہ کہے گا: مجھے یہی حکم دیا گیا تھا کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی اور کے لیے جنت کا دروازہ نہ کھولوں۔"(۱)

۶)...... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"جنت میں سب سے پہلے [گنہگاروں کے حق میں] شفاعت کرنے والا میں ہوں گا۔ پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کی اس قدر تصدیق نہیں کی گئی جس قدر میری تصدیق کی گئی ہے، جبکہ پیغمبروں میں ایک پیغمبر ایسے بھی گزرے ہیں جن کی تصدیق ان کی امت میں سے صرف ایک شخص نے کی تھی۔"(۲)

۷)...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے ایک آدمی محل تیار کرتا ہے اور اسے ہر لحاظ سے خوبصورت بناتا ہے مگر کسی طرف سے اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دیتا ہے۔ دیکھنے والے اسے گھوم پھر کر دیکھتے ہیں اور اس کی خوبصورتی کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ایک اینٹ کی جگہ کیوں خالی چھوڑ دی ہے؟ [اگر تم یہ اینٹ بھی لگا دو تو یہ عمارت پوری ہو جائے گی! (صحیح مسلم)] پھر نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ اینٹ میں ہوں، اور میں نے نبیوں کا سلسلہ مکمل کر دیا ہے۔"(۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ "میں ہی وہ (آخری) اینٹ ہوں اور میں ہی آخری نبیؐ ہوں۔"(٤)

- یہ حدیث بھی نبی اکرم ﷺ کی فضیلت و منقبت ظاہر کرتی ہے کیونکہ اس میں آپ ﷺ کو آخری نبیؐ ہونے کا درجہ دیا گیا ہے۔

۸)...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

"ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ دیا گیا تا کہ لوگ اس پر ایمان لائیں جبکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے 'وحی' [قرآن، کتاب اللہ] کا معجزہ عطا کیا، یہ اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوئی اور مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ: انا اول الناس یشفع فی الجنة......(ح١٩٧)]

(۲) [صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی ﷺ: انا اول الناس یشفع فی الجنة......(ح٣٣٢-١٩٦)]

(۳) [صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیینؐ (ح٣٥٣٥) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر کونه ﷺ خاتم النبیین (ح٢٢٨٦)]

(٤) [صحیح مسلم، ایضاً]

دیگر انبیاء کے مقابلے میں میرے تابعدار زیادہ ہوں گے۔"[1]

○ اس حدیث میں یہ بتانا مقصود ہے کہ دیگر انبیاء کو جو معجزات ملے وہ تو ان کے زمانے تک محدود تھے اور ان کے فوت ہو جانے کے ساتھ ان کے وہ معجزات بھی ختم ہو گئے مگر آپ کا ایک معجزہ یہ قرآن ہے جو آپؐ کے بعد بھی اپنی معجزانہ حیثیت میں موجود ہے اور تا قیامت موجود رہے گا۔

۹)......حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجھے پانچ ایسی فضیلتیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو عطا نہیں کی گئیں: (۱) میری نصرت کے لیے مجھے ایسا رعب عطا ہوا جو ایک ماہ کی مسافت پر [بیٹھے دشمن پر] اثر انداز ہوتا ہے۔ (۲) میرے لیے تمام روئے زمین مسجد اور پاک کر دینے والی [یعنی پانی کی عدمِ دستیابی کے وقت طہارت کے لیے زمین کی مٹی تیمم کے ذریعے طہارت کے قائم مقام] بنادی گئی ہے، پس میری امت میں سے جو شخص جہاں نماز کا وقت پائے نماز پڑھ لے۔ (۳) میرے لیے مالِ غنیمت کو حلال قرار دیا گیا ہے حالانکہ مجھ سے پہلے یہ کسی اور پیغمبر کے لیے حلال نہیں تھا۔ (۴) مجھے شفاعتِ عظمیٰ عطا کی گئی ہے۔ (۵) ہر نبی کو خاص طور پر صرف اپنی ہی قوم کے لوگوں کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا، جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف [رسولِ بنا کر] بھیجا گیا ہے۔"[2]

۱۰)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مجھے دوسرے پیغمبروں پر چھ خاص چیزوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔ (۱) مجھے جامع کلمات عطا ہوئے ہیں۔ (۲) مجھے رعب کے ذریعہ نصرت عطا ہوئی ہے۔ (۳) میرے لیے غنیمت کی چیزیں حلال قرار دی گئی ہیں۔ (۴) میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک کر دینے والی بنادی گئی ہے۔ (۵) مجھے تمام مخلوق کی جانب (رسول بنا کر) بھیجا گیا ہے۔ (۶) اور نبیوں کا سلسلہ مجھ پر ختم کر دیا گیا ہے۔" [یعنی آخری نبی بنا کر بھیجا گیا ہے، لہٰذا اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا][3]

(۱) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی و اول ما نزل (ح ۴۹۸۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالة نبینا ﷺ (ح ۱۵۲)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب التیمم (باب ۱، ح ۳۳۵) صحیح مسلم، کتاب المساجد (ح ۵۲۱)]

(۳) [صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد و مواضع الصلاة (ح ۵۲۳)]

۱۱)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے جامع کلمات کے ساتھ بھیجا گیا، مجھے رعب کے ذریعے نصرت عطا کی گئی اور میں سویا ہوا تھا کہ [خواب میں، میں نے دیکھا کہ] مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئیں اور انہیں میرے ہاتھ میں تھما دیا گیا۔''(۱)

○ خواب میں عام طور پر تمثیلات و علامات اور استعارات و اشارات وغیرہ کے ذریعے کوئی بات سمجھائی جاتی ہے اور یہاں خزانوں کی چابیاں ہاتھوں میں دیے جانا دراصل اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ آپؐ کی نبوت و رسالت روئے زمین کے ہر گوشے تک پہنچے گی اور آپؐ کے دین کو فتح نصیب ہوگی۔ چنانچہ اگلی حدیث [۱۲] میں آنحضرتؐ نے اپنے اس خواب کی یہی تعبیر خود فرما دی ہے۔

۱۲)......حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹا [اور پھر مجھے دکھایا] چنانچہ میں نے زمین کے شرق و غرب تک دیکھا۔ بلاشبہ میری امت کی بادشاہی عنقریب وہاں تک وسیع ہوگی جہاں تک مجھے زمین سمیٹ کر دکھائی گئی تھی۔ نیز مجھے سرخ و سفید دو خزانے [یعنی سونا چاندی] بھی عطا کیے گئے اور میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے یہ دعا کی کہ اس امت کو قحطِ عام سے ہلاک نہ کیا جائے، اور اس امت پر باہر سے کوئی ایسا دشمن مسلط نہ کیا جائے جو انہیں بالکل ملیا میٹ کر دے۔'' [ان دعاؤں کے جواب میں] میرے رب نے فرمایا:

''اے محمدؐ! جب میں کوئی فیصلہ کر لیتا ہوں تو بلاشبہ وہ بدلا نہیں جا سکتا اور میں آپ کو اپنا یہ عہد دیتا ہوں کہ میں آپ کی امت کو بڑے قحط سے ہلاک نہیں کروں گا اور نہ ان پر ان کے علاوہ کسی ایسے غیر دشمن کو مسلط کروں گا جو ان کو مٹا کر رکھ دے، خواہ روئے زمین کے سبھی دشمن ان پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھے ہو کر ہی کیوں نہ آ جائیں۔ البتہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور ایک دوسرے کو قید و بند میں ڈالیں گے۔''(۲)

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب قول النبیؐ: نصرت بالرعب مسیرة شهر (ح۲۹۷۷) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد (ح۵۲۳)]

(۲) [صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب هلاك هذه الامة بعضهم ببعض (ح۲۸۸۹)]

۱۴)..... حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''رسول اللہ ﷺ بنومعاویہ کی ایک مسجد کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ اس میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز ادا کی، ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے رب کے حضور لمبی دعا کی اور [جب آپ ﷺ دعا سے فارغ ہوئے] تو ہماری طرف متوجہ ہوکر آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کی دعا کی تھی، میرے رب نے میری دو دعائیں تو قبول فرما لیں مگر ایک کو قبول نہ کیا۔ میں نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ میری امت کو عام قحط سالی کے ساتھ ہلاک نہ کرنا۔ یہ دعا قبول کر لی گئی اور دوسری دعا میں نے اپنے رب سے یہ کی تھی کہ میری امت کو غرق کرکے ہلاک نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا بھی قبول کر لی اور تیسری دعا میں نے اپنے رب سے یہ کی تھی کہ میری امت کے لوگ آپس میں جنگ و جارحیت نہ کریں، مگر اللہ تعالیٰ نے میری اس دعا کو شرفِ قبولیت سے نہیں نوازا۔''(۱)

- اوپر کی دو احادیث میں آنحضرت ﷺ کی دیگر فضیلتوں کے علاوہ اس فضیلت کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے کہ آپ ﷺ مستجاب الدعاء تھے یعنی آپ کی دعائیں قبول ہوتی تھیں اور بذریعہ وحی آپ کو فوراً بتا بھی دیا جاتا تھا کہ آپ کی دعا قبول ہوگئی ہے۔ چنانچہ کسی موقع پر آپ ﷺ نے بیک وقت تین دعائیں مانگیں جن میں سے دو تو قبول ہوگئیں مگر ایک کو اللہ نے قبول نہ فرمایا اور یقیناً اس میں بھی اللہ کی کوئی حکمت ہوگی۔

دیگر نکات کے علاوہ اس حدیث سے ایک یہ نکتہ بھی سمجھ آتا ہے کہ اللہ اپنے فیصلے کو خود اپنی مرضی سے بدلتا ہے حتیٰ کہ اپنے آخری اور محبوب پیغمبر ﷺ کی دعا کے باوجود اللہ نے اپنا یہ فیصلہ نہیں بدلا کہ یہ امت آپس میں خانہ جنگی کا شکار ہوگی۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہونے کے ناطے اللہ کے اس فیصلہ پر بالآخر سرِ تسلیم خم ہی کرنا پڑا۔ اس سے ان لوگوں کی غلط فہمی کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نبی اور ولی جب اور جو چاہیں، اللہ سے کروا لیتے ہیں۔ ان کی یہ بات اس وقت تک ثابت نہیں ہوسکتی جب تک وہ اس صحیح حدیث کا صاف صاف انکار نہ کردیں یا اسے توڑ مروڑ کر اپنا من مانا مفہوم نہ نکال لیں۔ اللہ ہی انہیں ہدایت دے، آمین!

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب هلاك هذه الامة بعضهم ببعض (ح ۲۸۹۰)]

نبی کریم ﷺ کے اَسماء، صفات، شمائل اور اَخلاق و عادات

اختصار کے پیشِ نظر صرف بخاری و مسلم کی صحیح احادیث پر اکتفا کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ کے اسماء، صفات، شمائل اور اَخلاق و عادات کے بارے چند اَحادیث ذیل میں ذکر کی جارہی ہیں۔

آپؐ کے اسمائے گرامی:

۱)..... حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''میرے کئی ایک نام ہیں؛ میں مُحَمَّدٌ ہوں، میرا نام اَحْمَدُ بھی ہے نیز میرا نام مَاحِيُ [مٹانے والا] بھی ہے اس لیے کہ میرے سبب اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا اور میرا نام حَاشِر [اٹھانے اور جمع کرنے والا] بھی ہے کیونکہ لوگوں کو میرے نقشِ قدم پر اٹھایا جائے گا اور میرا نام عَاقِبُ [آخری] بھی ہے۔'' صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ ''عَاقِبُ سے مراد وہ شخص ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔''(۱)

۲)..... حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہمیں اپنے ناموں سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

''میں محمد ہوں، میں احمد بھی ہوں، میں مُقَفّٰی ہوں [مُقَفّٰی کا مطلب ہے: تمام پیغمبروں کے آخر میں آنے والا]۔ میں حاشر ہوں [حاشر کا معنی اوپر گزر چکا ہے] میں توبہ والا نبیؐ ہوں [یعنی اللہ کے حضور زیادہ توبہ کرنے والا ہوں] اور میں رحمت والا نبیؐ ہوں [یعنی میں تمام جہان والوں کے لیے باعثِ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں]۔''(۲)

۳)..... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''کیا تمہیں اس بات پر تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قریش کی گالی گلوچ اور لعنت سے کس طرح محفوظ فرما دیا ہے؟ وہ تو مُذَمَّم کو گالیاں دیتے ہیں اور مُذَمَّم پر لعنت بھیجتے ہیں جبکہ میں محمدؐ ہوں۔''(۳)

---

(۱) [صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الصف، باب من بعدی اسمه احمد(٤٨٩٦) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی اسمائه ﷺ (ح ٢٣٥٤) صحیح مسلم کی بعض روایات میں عاقب کی یہ وضاحت خود نبی اکرمؐ سے منقول ہے جبکہ بعض روایات میں یہی وضاحت امام زہری سے بھی منقول ہے۔ مؤلف]

(۲) [صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی اسمائه ﷺ (ح ٢٣٥٥)]

(۳) [صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ماجاء فی اسماء رسول اللهﷺ (ح ٣٥٣٣)]

۴)..... حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ

''میں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے عرض کیا کہ آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وصف کے بارے میں بتائیں جس کا ذکر تورات میں ہے۔ عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا: ہاں ضرور بتاتا ہوں۔ اللہ کی قسم! تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صفات تو وہ ہیں جو قرآن پاک میں بھی مذکور ہیں مثلاً [قرآن اور تورات دونوں میں آپؐ کے بارے کہا گیا:] ''اے نبیؐ! بلاشبہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو [اہلِ ایمان پر] گواہ، [جنت کی] خوشخبری دینے والا اور [گنہگاروں کو عذاب سے] ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔'' [تورات میں اس کے علاوہ آپؐ کے بارے یہ بھی کہا گیا کہ:]

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّـــی [ناخواندہ، اَن پڑھ] لوگوں کی جائے پناہ ہیں۔ آپؐ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مُتَـوَکّلُ [اللہ پر خوب توکل کرنے والا] رکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بد خلق نہیں، نہ ہی سخت مزاج ہیں، نہ ہی بازاروں میں شور و شغب کرنے والے ہیں اور نہ ہی آپؐ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں، بلکہ آپؐ معاف کرنے اور دعائے مغفرت کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ آپ کو اس وقت تک فوت نہیں کریں گے جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب گمراہ قوم کو راہِ راست پر نہ لے آئیں گے، حتیٰ کہ وہ لاالٰہ الااللّٰہ کا اقرار کرلیں گے اور اللہ تعالیٰ اس [دین] کی وجہ سے ان کی اندھی آنکھیں، بہرے کان اور بے حس دل کھول کر رکھ دے گا۔''[1]

آپؐ کا حلیہ مبارک:

۱)..... سماک بن حربؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرمؐ کا یہ حلیہ مبارک بیان کیا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی اور سر مبارک کے اگلے حصہ میں کچھ سفید بال آ گئے تھے، جب بال بکھرے ہوتے تو یہ سفید بال دکھائی دیتے مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیل لگا لیتے تو بالوں کی یہ سفیدی چھپ جاتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کے بال گھنے تھے۔ ایک آدمی نے حضرت جابرؓ سے پوچھا: کیا اللہ کے رسول کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح تھا۔ حضرت جابرؓ نے کہا نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سورج اور چاند کی طرح منور اور گول تھا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے کے قریب مہرِ نبوت کو دیکھا جو

(۱) [صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب کراھیۃ السخب فی السوق (ح ۲۱۲۵)]

[مقدار میں] کبوتری کے انڈے جتنی اور [رنگت وغیرہ میں] آپ ﷺ کے جسم مبارک ہی کے مشابہ تھی۔"(۱)

۲)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"رسول اللہ ﷺ نہ تو بہت زیادہ لمبے تھے اور نہ ہی بہت چھوٹے قد کے، بلکہ آپ کا قد درمیانہ تھا۔ آپ ﷺ کا رنگ نہ تو [دودھ اور چونے کی طرح] بالکل سفید تھا اور نہ ہی گہرا گندمی، بلکہ گورا اور چمک دار تھا۔ آپ ﷺ کے سر کے بال نہ زیادہ گھنگریالے تھے اور نہ ہی بالکل سیدھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبی بنایا۔ نبوت کے بعد آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں دس سال اور مدینہ منورہ میں بھی دس سال مقیم رہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ساٹھ سال کی عمر میں وفات دی۔ آپ ﷺ کے سر اور داڑھی مبارک میں بیس سفید بال بھی نہ تھے۔"(۲)

۳)......ایک اور روایت میں حضرت انسؓ نبی اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"آپ ﷺ کے سر مبارک کے بال نصف کانوں تک تھے۔"(۳)

۴)......ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ

"آپ ﷺ کے سر مبارک کے بال آپ کے کانوں اور کندھوں کے درمیان تک لٹکتے تھے۔"(٤)

۵)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"آپؐ کے ہاتھ اور پاؤں مضبوط تھے، میں نے آپؐ جیسا خوبصورت نہ ہی آپؐ سے پہلے کوئی دیکھا اور نہ ہی آپ کے بعد دیکھا اور آپ کی ہتھیلیاں کشادہ تھیں۔"(٥)

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ کے دونوں پاؤں اور ہتھیلیاں بہت مضبوط اور پر گوشت تھیں۔(٦)

٦)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"رسول اللہ ﷺ کی رنگت سفید اور چمک دمک والی تھی۔ آپؐ کے پسینے کے قطرے ایسے تھے جیسے

(١) [صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوة وصفته ومحله من جسده ﷺ (ح ٢٣٤٤)]

(٢) [صحيح بخاري، كتاب المناقب، باب صفة النبيؐ (ح ٣٠٧١)]

(٣) [صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب صفة شعر النبي ﷺ (ح ٢٣٣٨)]

(٤) [صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب الجعد (ح ٥٩٠٥) صحيح مسلم، ايضا (ح ٢٣٣٨)]

(٥) [صحيح بخاري، كتاب اللباس، باب الجعد (ح ٥٩٠٧)] (٦) [ايضاً (ح ٥٩١٠)]

موتی ہوں۔ جب آپ چلتے تو آگے کی جانب جھکے ہوئے چلتے۔ میں نے ریشم کا کوئی ایسا دبیز اور ملائم کپڑا انہیں چھوا جو اللہ کے رسول ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور نہ ہی میں نے کوئی ایسی مشک اور عنبر [عمدہ خوشبو] کو سونگھا ہے جو نبی اکرم ﷺ کے بدن سے آنے والی قدرتی خوشبو سے زیادہ عمدہ ہو۔''[1]

۷)......ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے پسینے کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو نہیں سونگھی۔''[2]

۸)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''حضرت ام سلیمؓ [جو انس کی والدہ اور اللہ کے رسول کی رضاعی خالہ تھیں] آپؐ کے لیے چمڑے کا ایک ٹکڑا بچھا دیتیں، جس پر آپؐ دوپہر کے وقت آرام فرماتے۔ جب آپؐ سوتے [اور آپ کو پسینہ آ جاتا] تو ام سلیم آپؐ کے پسینے کو چھوٹے برتن میں جمع کر لیتیں۔''[3]

۹)......ایک روایت میں ہے کہ

''ایک مرتبہ وہ نبی اکرم ﷺ کا پسینہ جمع کر رہی تھیں کہ آپؐ بیدار ہو گئے۔ آپؐ نے دریافت کیا، اے ام سلیم! یہ کیا ہے؟ ام سلیم نے بتایا کہ یہ آپ کا پسینہ ہے جسے ہم اپنی خوشبو میں ملاتی ہیں اور آپ کا پسینہ تمام خوشبوؤں سے بہتر ہے۔'' [یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ پسینہ ملانے سے جو خوشبو تیار ہوتی ہے، وہ تمام خوشبوؤں سے عمدہ ہوتی ہے۔][4]

۱۰)......ایک روایت میں ہے کہ

''ام سلیمؓ نے آپؐ سے کہا: ''اے اللہ کے رسولؐ! ہم اپنے بچوں کے لیے اسے بابرکت سمجھتی ہیں، تو آپؐ نے ان کی تائید فرمائی۔''[5]

۱۱)......حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''رسول اللہ ﷺ درمیانے قد کے مالک تھے، آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان کشادگی تھی۔ آپؐ کے سر کے بال دونوں کانوں کے کناروں تک تھے۔ میں نے آپ کو سرخ لباس پہنے بھی دیکھا ہے۔

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب طیب ریحه ﷺ (ح ۲۳۳۰)]
(۲) [صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ (ح ۳۵٦۱)]
(۳) [صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب من زار قوما فقال عندهم (ح ٦۲۸۱)]
(٤) [صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب طیب عرقه ﷺ و التبرك به (ح ۲۳۳۱)] (٥) [ایضًا]

میں نے آپؐ سے زیادہ حسین وجمیل دنیا کی کوئی چیز نہیں دیکھی۔"(۱)

۱۲)......ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:

"میں نے کسی ایسے انسان کو نہیں دیکھا جو لمبی زلفوں اور سرخ لباس میں اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ حسین وجمیل دکھائی دے۔ آپؐ کے سر کے بال آپ کے کندھوں تک لٹکتے تھے۔ آپؐ کے دونوں کندھوں کے درمیان کشادگی تھی اور آپ کا قد مبارک نہ زیادہ لمبا تھا اور نہ بہت چھوٹا۔"(۲)

۱۳)......حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں کہ

"رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک فراخ اور دونوں آنکھیں کشادہ تھیں۔ آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے تھے اور آپ کی دونوں ایڑیاں باریک تھیں جن پر گوشت بہت زیادہ نہیں تھا۔"(۳)

آپ علیہ السلام کی مہر نبوت:

۱)......حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"میں نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی اور آپ ﷺ کے ساتھ روٹی اور گوشت [ثرید] تناول کیا...... پھر میں آپ ﷺ کے پیچھے ہوا تو اس مہر نبوت کو دیکھا جو آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان بائیں شانے کی نرم ہڈی کے پاس تھی۔ یہ مہر، بند مٹھی کی مانند تھی اور اس پر مسوں کی مانند سیاہ رنگ کے بہت سے تل تھے۔"(٤)

۲)......خالد بن سعید کی بیٹی ام خالد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

"میں بچپن میں اپنے والد کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئی اور اس وقت میرے جسم پر زرد رنگ کی قمیص تھی۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ام خالد! یہ کپڑا بہت عمدہ ہے۔ ام خالد کہتی ہیں کہ میں آپ کی مہر نبوت کے ساتھ کھیلنے لگی لیکن میرے والد نے مجھے ڈانٹتے ہوئے روک دیا مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس بچی کو کھیلنے دو۔"(٥)

(۱) [صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب اصفة النبی ﷺ (ح۳۵۵۱)]
(۲) [صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی صفة النبی ﷺ (ح۲۳۳۷)]
(۳) [صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی صفة فم النبی ﷺ وعینه وعقبه (ح۲۳۳۹) شمائل ترمذی (ح۸)]
(٤) [صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوة وصفته ومحله من جسده ﷺ (ح۲۳٤٦)]
(٥) [صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب من تکلم بالفارسیة والرطانة (ح۳۰۷۱)]

آپ کا حسنِ اخلاق:

۱)......حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد آپؐ اپنے گھر تشریف لے جانے کے لیے [مسجد سے] نکلے اور میں بھی آپؐ کے ساتھ باہر نکل آیا۔ آگے آپ کو چند بچے ملے۔ آپؐ نے ایک ایک کرکے ان میں سے ہر بچے کے رخسار پر ہاتھ پھیرا۔ پھر آپؐ نے میرے رخسار پر بھی ہاتھ پھیرا۔ میں نے آپؐ کے ہاتھ کی ٹھنڈک اور عمدہ خوشبو کو اس طرح محسوس کیا کہ گویا آپؐ نے اپنا ہاتھ عطر فروش کی صندوقچی سے نکالا ہے۔''(۱)

۲)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''میں نے مسلسل دس سال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور اس دوران آپؐ نے مجھے کبھی اُف تک نہ کہا اور [کسی غلطی پر کبھی] یہ بھی نہ کہا کہ تم نے فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہ کیا؟''(۲)

۳)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ اچھے اخلاق کے مالک تھے۔ ایک روز آپ نے مجھے کسی کام سے بھیجا تو میں نے (زبان سے یونہی) کہہ دیا اللہ کی قسم! میں نہیں جاؤں گا لیکن میرے دل میں تھا کہ میں ضرور جاؤں گا اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے۔ چنانچہ میں نکل پڑا، اور بچوں کے پاس سے گزرا جو بازار میں کھیل رہے تھے (میں وہاں ٹھہر گیا) اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے میری گدی پکڑ لی۔ میں نے آپ کی جانب نظر اٹھائی تو آپ مسکرا رہے تھے۔ آپؐ نے کہا، اے بچے انس! کیا وہاں جاتے ہو جہاں میں نے تمہیں جانے کے لیے کہا ہے؟ تو میں نے عرض کی، ہاں! اللہ کے رسولؐ میں ابھی جاتا ہوں۔''(۳)

۴)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب طیب ریحہ صلی اللہ علیہ وسلم ولین مسہ (ح۲۳۲۹)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب الادب، باب حسن الخلق و السخاء (ح۶۰۳۸) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب حسن خلقہ صلی اللہ علیہ وسلم (ح۲۳۰۹)]

(۳) [صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب حسن خلقہ صلی اللہ علیہ وسلم (ح۲۳۰۹)]

”میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کہیں جا رہا تھا، اس وقت آپؐ پر دھاری دار نجرانی چادر تھی جس کے کنارے موٹے تھے۔ راستے میں آپ کو ایک دیہاتی ملا جس نے آپ کی چادر اس زور سے کھینچی کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کی گردن مبارک پر چادر کے کنارے کی رگڑ کا نشان پڑ گیا۔ پھر وہ دیہاتی کہنے لگا، اے محمد! آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کا جو مال ہے اس میں سے مجھے بھی کچھ دو۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا پڑے، پھر آپ نے اسے کچھ عطا کرنے کا حکم دیا۔“(۱)

۵)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

”نبی اکرم ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر حسین تھے۔ تمام لوگوں سے زیادہ سخی اور تمام لوگوں سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات مدینہ کے لوگ (دشمن کی آمد کی افواہ سن کر) گھبرا اُٹھے۔ جب لوگ اس طرف بھاگے جدھر سے آواز آئی تھی تو کیا دیکھتے ہیں کہ آگے سے نبی اکرم ﷺ [گھوڑے پر سوار چلے] آ رہے ہیں کیونکہ آپؐ تمام لوگوں سے پہلے آواز کی جانب پہنچ گئے تھے اور آپ فرما رہے تھے، ڈرو نہیں! ڈرو نہیں!......آپؐ ابوطلحہؓ کے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر بغیر زین ہی سوار تھے اور آپ کی گردن میں تلوار لٹک رہی تھی۔ آپؐ نے اس گھوڑے کے بارے فرمایا: میں نے اسے نہایت تیز رفتار پایا ہے۔“(۲)

۶)......حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

”ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے کبھی کسی نے کوئی چیز مانگی ہو اور آپؐ نے [موجود ہونے کے باوجود] اس سے انکار کیا ہو۔“(۳)

۷)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

”ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے اتنی بکریوں کا سوال کیا جو دو پہاڑوں کے درمیان سما سکیں تو آپؐ نے اس کا مطالبہ پورا کر دیا۔ اس کے بعد وہ شخص اپنی قوم کے پاس آ کر کہنے لگا: اے میری قوم کے لوگو! اسلام قبول کر لو۔ اللہ کی قسم! محمد ﷺ تو اس قدر عطا کر دیتے ہیں کہ آپ کو فقر و افلاس کا بھی خوف نہیں ہوتا۔“(۴)

(۱) [صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ما کان النبیؐ یعطی ...(ح۳۱۴۹) صحیح مسلم، الزکاۃ (ح۱۰۵۷)]
(۲) [صحیح بخاری، کتاب الادب، باب حسن الخلق (ح۶۰۳۳) صحیح مسلم، کتاب الفضائل (ح۲۳۰۷)]
(۳) [صحیح بخاری، ایضاً (ح۶۰۳۴) صحیح مسلم، ایضاً، باب ماسئل الرسول شیئاقط فقال لا (۲۳۱۱)]
(۴) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی سخائہ ﷺ (ح۲۳۱۲)]

٨)......حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں جنگ حنین سے واپس آ رہے تھے کہ [ایک جگہ] کچھ دیہاتی لوگ آپؐ سے [مالِ غنیمت] مانگتے ہوئے آپؐ سے اس طرح چمٹ گئے کہ [پیچھے ہٹتے ہٹتے] آپ کیکر کی جھاڑیوں سے جا لگے حتی کہ آپ کی چادر اس میں اُلجھ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے اور فرمایا: مجھے میری چادر لوٹا دو، اگر میرے پاس ان کانٹے دار درختوں کے برابر بھی مال ہوتا تو میں وہ سارا تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا اور تم مجھے بخیل، غلط بیانی کرنے والا اور چھوٹے دل والا نہ کہہ پاتے۔''(١)

٩)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز ادا کر لیتے تو مدینہ کے غلام لونڈیاں [خادم] اپنے برتنوں میں پانی لے کر آپؐ کے ہاں پہنچ جاتے۔ جو شخص بھی برتن لے کر آتا آپؐ [برکت کے لیے] اس کے برتن میں اپنا ہاتھ ڈبوتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ موسم سرما میں صبح سویرے ہی پانی کے برتن لے آتے مگر پھر بھی آپؐ [برکت کے لیے] اپنا ہاتھ اس پانی میں ڈال دیتے۔''(٢)

١٠)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''اہل مدینہ کی لونڈیوں میں سے ایک لونڈی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑتی، اور جہاں چاہتی آپ کو لے جاتی۔''(٣)

- یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزی کی دلیل ہے کہ نچلے طبقے کے کسی فرد کے ساتھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت نرمی اور پوری توجہ کے ساتھ پیش آتے۔ کیا آج کے حکمران ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں......!

١١)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''ایک عورت جس کی عقل میں کچھ خلل تھا، نے اللہ کے رسول سے کہا: مجھے آپؐ سے کچھ کام ہے۔ آپؐ نے اس سے کہا، اے ام فلاں! تم جس گلی میں چاہتی ہو [میں جانے کے لیے تیار ہوں] تاکہ تمہارے کام آ سکوں۔ چنانچہ آپؐ اس کے ساتھ ایک طرف چلے گئے حتی کہ جو کام اس نے کہنا تھا، کہہ دیا۔''(٤)

---

(١) [صحيح بخاری، کتاب الجهاد، باب الشجاعة فی الحرب (ح ٢٨٢١)]

(٢) [صحيح مسلم، کتاب الفضائل، باب قربه من الناس و تبركهم به (ح ٢٣٢٤)]

(٣) [صحيح بخاری، کتاب الادب، باب الكبر (ح ٦٠٧٢)]

(٤) [صحيح مسلم، کتاب الفضائل، باب قربه من الناس و تبركهم به (ح ٢٣٢٦)]

۱۲)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ گالی گلوچ کرتے تھے، نہ فحش گو تھے، اور نہ ہی لعن طعن کرنے والے تھے۔ آپؐ غصہ کے وقت بھی صرف اتنا ہی کہتے: "اسے کیا ہے؟ اس کی پیشانی خاک آلود ہو!"(۱)

۱۳)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
"آپؐ سے عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! آپؐ مشرکین پر بددعا فرمائیں، مگر آپؐ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ مجھے تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔"(۲)

۱۴)......حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ
"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پردے میں رہنے والی کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ جب آپ کسی ناپسندیدہ کام کو دیکھتے تو ہم اسے آپ کے چہرے [کے تاثرات] سے پہچان لیتے تھے۔"(۳)

۱۵)......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح تحمل سے بات کرتے کہ اگر کوئی آپ کی بات کے الفاظ گننا چاہتا تو با آسانی گن لیتا۔ اور آپ اس طرح تیز تیز باتیں نہیں کرتے تھے جیسے تم لوگ کرتے ہو۔"(٤)

۱۶)......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ
"میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اتنا قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپؐ کے حلق کا کوا نظر آئے۔ آپ تو بس مسکرایا کرتے تھے۔"(٥)

۱۷)......اسود رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ
"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کچھ کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الادب، باب لم یکن النبیؐ فاحشا ولا متفحشا (ح۶۰۳۱)]
(۲) [صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب النهی عن لعن الدواب وغیرها (ح۲۵۹۹)]
(۳) [صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من لم یواجه الناس بالعتاب (ح۶۱۰۲) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب کثرة حیائهؐ (ح۲۳۲۰)]
(٤) [صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبیؐ (۳۵۶۷، ۳۵۶۸) صحیح مسلم، فضائل الصحابة (۲٤۹۳)]
(٥) [صحیح بخاری، کتاب الادب، باب التبسم والضحك (ح۶۰۹۲)]

کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں مشغول رہتے تھے اور جب نماز کا وقت ہو جاتا تو آپ نماز کے لیے چلے جاتے تھے۔"(۱)

۱۸)......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

"اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کبھی دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو آپؐ ان میں سے آسان کام کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا، اگر وہ گناہ کا کام ہوتا تو آپؐ تمام لوگوں سے زیادہ اس سے دور رہتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لیے کبھی کسی بات کا انتقام نہیں لیتے تھے، البتہ جب اللہ کی حرمت کو پامال کیا جاتا تو پھر آپ اللہ کی رضا کے لیے انتقام لیا کرتے تھے۔"(۲)

۱۹)......حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی راہ میں جہاد کے علاوہ کبھی کسی [جاندار] کو نہیں مارا، حتیٰ کہ اپنی کسی بیوی اور خادم پر بھی آپؐ نے کبھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اگر کسی شخص سے کبھی آپ کو کچھ تکلیف پہنچی تو آپؐ نے اس سے انتقام بھی نہیں لیا۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کیا جاتا تو پھر آپؐ اللہ تعالیٰ کی خاطر انتقام لیتے تھے۔"(۳)



(۱) [صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب من کان فی حاجة اهله فاقیمت الصلاة فخرج(ح۶۷۶)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبیؐ (ح۳۵۶۰)صحیح سلم، کتاب الفضائل(۲۳۲۷)]

(۳) [صحیح سلم، کتاب الفضائل، باب مباعدته للآثام واختیاره من المباح اسهله(ح۲۳۲۸)]

بَابُ اَوَّلُ:

نبی کریم ﷺ پر ایمان

مسلمان ہونے کے ناطے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ہمارا پہلا تعلق یہ ہونا چاہیے کہ ہم صدقِ دل سے آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان لائیں، جب تک کوئی شخص آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتا تب تک وہ مسلمان شمار نہیں کیا جا سکتا خواہ وہ کتنا ہی توحید پرست اور عبادت گزار کیوں نہ ہو۔

اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ کا سچا اور آخری رسول تسلیم کیا جائے اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کو آخری اور کامل شریعت تسلیم کر کے اس پر عمل کیا جائے۔

نبی کریمؐ پر ایمان لانے میں درج ذیل سب باتوں پر ایمان لانا شامل ہے:

۱)......آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

۲)......آپ ﷺ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں اور جنوں کے لیے رسول ہیں۔

۳)......آپ ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں۔

۴)......آپ ﷺ معصوم اور بے گناہ تھے۔

۵)......آپ ﷺ نے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا۔

۶)......آپ ﷺ اللہ کی طرف سے جو دین لائے، اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

۷)......آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے جو مختلف معجزات عطا کیے گئے تھے، ان پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

آئندہ سطور میں ان نکات کی ضروری تفصیل ذکر کی جائے گی۔ ان شاءاللہ!

* * * *

[1]......نبی کریم ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں

حضرت محمد ﷺ کے بارے ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ آپؐ کے نبی و رسول ہونے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام لے کر اپنی کتاب قرآن مجید میں صاف صاف الفاظ میں سنا دیا ہے۔ ایسی چند آیات ملاحظہ ہوں جن میں آپ کی رسالت کا اعلان کیا گیا ہے:

۱)......﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾[سورة الفتح:۲۹]

''محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔''

۲)......﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾[سورة آل عمران:۱۴۴]

''(حضرت) محمدؐ صرف رسول ہی ہیں، ان سے پہلے (بھی) بہت سے رسول ہو چکے ہیں۔''

۳)......﴿وَاَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا﴾[سورۃ النساء:۷۹]

''اور ہم نے آپ (محمدؐ) کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔''

۴)......﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾[الاحزاب:۴۰]

''محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔''

۵)......﴿وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾[سورة محمدؐ:۲]

''اور جو لوگ اس چیز پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کی گئی ہے، اور دراصل ان کے رب کی طرف سے سچا دین بھی وہی ہے۔''

○ جس طرح قرآن مجید نے حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کا اعلان کیا ہے، اسی طرح خود آپؐ نے بھی اپنی زبانِ نبوت سے اپنے نبی و رسول ہونے کا اعلان کیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ سے مروی دو احادیث ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

۱)......عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ:((اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا

اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيُؤْمِنُوْا بِیْ وَبِمَاجِئْتُ بِهٖ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَآئَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ))

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ اس وقت تک لڑائی کروں جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور وہ مجھ پر ایمان لے آئیں اور جو (دین) میں لے کر آیا ہوں اس پر بھی ایمان لے آئیں۔ جب لوگ ایسا کر لیں گے تو وہ اپنے خون اور مال مجھ سے محفوظ کر لیں گے، سوائے اس حق کے جو اسلام ان پر لاگو کرتا ہے، اور ان کا (اصل) حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔''(۱)

۲)......عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ قَالَ: ((وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَا يَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُوْدِیٌّ وَلَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ))

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اس امت میں سے جو یہودی اور عیسائی میرے بارے سن لے اور پھر وہ مجھ پر ایمان لائے بغیر ہی مر جائے تو وہ ضرور جہنم میں جائے گا۔''(۲)

○ قرآن مجید نے جہاں یہ اعلان کیا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، وہاں دنیا کے تمام انسانوں کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لائیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۱)......﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾[سورة الحديد:٧]

''(لوگو!) اللہ اور اس کے رسول (محمدؐ) پر ایمان لاؤ۔''

۲)......﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا﴾[التغابن:٨]

''پس تم اللہ پر، اس کے رسولؐ پر، اور اس نور [قرآن] پر جسے ہم نے نازل کیا ہے، ایمان لاؤ!''

---

(۱) [صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الامر بقتال الناس حتى يقولوا لااله الا الله ......(ح ٢١) صحيح بخارى، كتاب الايمان، باب فان تابوا و اقاموا الصلاة و اتوا الزكوٰة فخلوا سبيلهم(ح ٢٥)]

(۲) [صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب وجوب الايمان برسالة نبينا محمد الى جميع الناس......(ح ١٥٣)]

۳)......﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾[سورة الاعراف:۱۵۸]

''(اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی امی پر جو کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی تابعداری کرو تا کہ تم ہدایت پاؤ۔''

٤)......﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾[سورة الفتح:۹]

''یقیناً ہم نے تجھے (یعنی محمد مصطفیٰ کو) گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، تا کہ (اے مسلمانو!) تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔''

○ اور جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائیں گے، انہیں قرآن مجید نے جہنم کی وعید بھی سنائی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا﴾[سورة الفتح:۱۳]

''اور جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لائے گا، تو ہم نے بھی ایسے کافروں کے لیے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔''

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر صدق دل سے ایمان لانے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔



[2]......نبی کریم ﷺ سب انسانوں اور جنوں کے لیے رسول ہیں

نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ ﷺ کے بارے میں یہ تسلیم کیا جائے کہ آپ رہتی دنیا تک کے تمام انسانوں اور تمام جنوں کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ بطور دلیل چند آیات ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

۱)......﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ﴾[سورۃ السبا:۲۸]

''اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

اس آیت میں واضح طور پر بتادیا گیا کہ حضور ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا اور ظاہر ہے انسان قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے اس لیے آپ کی نبوت و رسالت بھی تا قیامت جاری رہے گی، اور قیامت تک آنے والا کوئی انسان بھی آپ کی نبوت و رسالت سے مستغنی نہ رہے گا۔

۲)......﴿ قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ﴾

''اور میرے پاس یہ قرآن بہ طور وحی کے بھیجا گیا ہے تاکہ میں اس قرآن کے ذریعہ سے تم کو اور جس جس کو یہ قرآن پہنچے، ان سب کو ڈراؤں۔'' [سورۃ الانعام:۱۹]

قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی ہدایت چونکہ قرآن مجید سے وابستہ ہے، اس لیے یہ قیامت تک محفوظ رہے گا، اور جب قرآن قیامت تک محفوظ رہے گا تو لامحالہ صاحب قرآن کی نبوت بھی قیامت تک باقی رہے گی۔

۳)......﴿ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾[سورۃ المائدۃ:۱۹]

''اے اہلِ کتاب! یقیناً ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کے ایک وقفے کے بعد آ پہنچا ہے، جو تمہارے لیے صاف صاف بیان کر رہا ہے تاکہ تمہاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس کوئی بھلائی، برائی سنانے والا آیا ہی نہیں، پس اب تو یقیناً خوشخبری والا اور آگاہ کرنے والا آ پہنچا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اپنے سے پہلے نبیوں کی امتوں کے ان لوگوں کے لیے بھی رسول بنا کر بھیجے گئے جو آپؐ کے دور میں زندہ تھے اور ان کے لیے بھی جو تا قیامت باقی رہیں گے۔ اسی لیے ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اس امت میں سے جو یہودی اور عیسائی میرے بارے سن لے اور پھر وہ مجھ پر ایمان لائے بغیر ہی مرجائے تو وہ ضرور جہنم میں جائے گا۔''(۱)

لیکن جو غیر مسلم مرنے سے پہلے آنحضرت ﷺ پر ایمان لے آئے اس کے بارے میں آپ ﷺ نے دہرے اجر کا وعدہ فرمایا ہے، چنانچہ حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''تین لوگ ایسے ہیں جنہیں دوہرا اجر ملے گا؛ ان میں سے ایک تو وہ آدمی ہے جو اہل کتاب [یہودی یا عیسائی] تھا اور اپنے نبی پر وہ ایمان لایا پھر اسے میرے بارے میں معلوم ہوا تو وہ مجھ پر بھی ایمان لے آیا اور میری اطاعت شروع کر دی اور اس نے میری تصدیق کی۔ پس اسے دوہرا اجر ملے گا۔''(۲)

انسانوں کی طرح جنات کو بھی چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اس لیے ضروری تھا کہ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے بھی انبیاء بھیجے جاتے اور یقیناً ایسا کیا گیا مگر اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ جنات میں جو انبیاء آئے کیا وہ انہی کی جنس سے تھے یا انسانوں کی جنس سے۔ بعض اہل علم کے بقول وہ جنات ہی کی جنس سے تھے جبکہ بعض اہل علم کے بقول انسانوں میں جو انبیاء مبعوث ہوتے وہی اپنے دور کے جنات کے لیے بھی نبی قرار پاتے۔ اس سارے اختلاف سے قطع نظر اس بات میں اختلاف کی گنجائش نہیں کہ آنحضرتؐ تمام انسانوں اور جنوں کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے دور میں جنات کا ایک پورا گروہ آپؐ پر ایمان لایا جیسا کہ سورۃ الجن میں مذکور ہے۔ اور بعض اَحادیث سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ انسانوں کے علاوہ جنات کی طرف بھی مبعوث ہوئے مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((وَأُرْسِلْتُ إِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً)) ''مجھے تمام مخلوق کی جانب (رسول بنا کر) بھیجا گیا ہے۔''(۳)

ظاہر ہے تمام مخلوق میں جنات بھی خود بخود شامل ہیں۔

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد الی جمیع الناس......(ح ۱۵۳)]

(۲) [صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمدؐ الی جمیع الناس......(ح ۱۵٤)]

(۳) [صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد و مواضع الصلاة (ح ۵۲۳)]

[3]......نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور آخری رسول ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے یہ تسلیم کیا جائے کہ آپؐ کو آخری نبی اور آخری رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔آپؐ کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی بنا کر نہیں بھیجا جائے گا، چنانچہ قرآن مجید میں دوٹوک الفاظ میں فرما دیا گیا کہ

﴿مَاكَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ [سورة الاحزاب:٤٠]

''محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں۔''

اس آیت میں نبی اکرمؐ کے بارے خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے الفاظ بولے گئے ہیں۔خاتم عربی زبان کا لفظ ہے، عربی زبان میں اس مادہ سے جتنے لفظ بنتے ہیں ان میں کسی چیز کے مکمل ہونے، فارغ ہونے، بند ہونے، انتہاء کو پہنچ جانے، آخری ہو جانے کے معنی پائے جاتے ہیں مثلاً عربی زبان میں خَاتَمُ الْقَوْمِ کا معنی ہے آخِرُ الْقَوْمِ یعنی قوم کا آخری آدمی۔اسی طرح خَتَمَ الْاِنَاءَ کا مطلب ہے ''برتن کا منہ بند کر دیا اور اس پر مہر لگا دی تا کہ نہ اس میں کوئی چیز داخل ہو سکے اور نہ نکل سکے۔'' [دیکھیے عربی کتب لغات]

خاتم کا جو معنی معتبر کتبِ لغات میں ملتا ہے، قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت میں بھی وہی معنی مراد لیا گیا ہے، علاوہ اَزیں بہت سی صحیح اَحادیث میں بھی صراحت کے ساتھ یہ بتا دیا گیا ہے کہ محمدؐ اللہ کے آخری نبی ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول واقعی آخری رسول ہیں مگر آپؐ آخری نبی نہیں ہیں بلکہ نبی آپ کے بعد بھی آتے رہیں گے۔لفظِ نبی اور رسول کے معنی میں دراصل یہ فرق ان کے پیشِ نظر ہوتا ہے کہ رسول تو صاحبِ شریعت اور صاحبِ کتاب ہوتا ہے مگر نبی صاحبِ شریعت یا صاحبِ کتاب نہیں ہوتا۔اس فرق کی بنیاد پر وہ کہتے ہیں کہ آپؐ کے بعد جو نبی آئیں گے وہ نئی شریعت لے کر نہیں آئیں گے بلکہ وہ آپؐ ہی کی شریعت کی تبلیغ کریں گے مگر ہوں گے وہ بھی نبی۔

مگر ان کا یہ دعویٰ قطعی غلط ہے کیونکہ اگر مذکورہ بالا فرق تسلیم کر بھی لیا جائے تو پھر بھی ہمارے سامنے جو ختم نبوت کی آیت ہے، اس میں خاتم النبیین کے لفظ استعمال ہوئے ہیں جس کا مطلب ہے ''نبیوں کا ختم

کرنے والا‘‘۔ اگر آپؐ نبیوں کا سلسلہ ختم کرنے والے نہیں بلکہ رسولوں کا سلسلہ ختم کرنے والے تھے تو پھر اس آیت میں خاتم النبیین کی بجائے خاتم الرسل کے الفاظ ہونے چاہیے تھے، مگر ایسا نہیں ہے۔

علاوہ اَزیں قرآن مجید کی کس آیت یا نبی کریمؐ کی کس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ..... ’’حضرت محمدؐ کے بعد بھی نبی آتے رہیں گے البتہ وہ صاحبِ شریعت یا صاحبِ کتاب نہیں ہوں گے۔‘‘..... نبوت کا مسئلہ تو دین وایمان کے بنیادی عقیدے کا مسئلہ ہے، اگر حضرت محمدؐ کے بعد بھی نبی آتے رہیں گے تو ان پر ایمان نہ لانے والا یقیناً کافر ہونا چاہیے اور اگر آپؐ کے بعد نبوت کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے تو پھر اس دروازے کو کھولنے والا یقیناً واجب القتل قرار پانا چاہیے۔..... جب نبوت کا مسئلہ اتنا حساس اور بنیادی ہے تو پھر اس بارے قرآن یا حدیث میں کیوں نہ واضح طور پر بتا دیا گیا کہ محمدؐ کے بعد بھی نبی آتے رہیں گے.....!!

اس کے برعکس قرآن مجید میں صاف طور آپؐ کے بارے خاتم الرسل کی بجائے خاتم النبیین کہہ کر اس غلط فہمی کا ہمیشہ کے لیے ازالہ کر دیا گیا ہے اور واضح کر دیا گیا کہ محمدؐ ہی آخری نبی ہیں، لہٰذا آپؐ کے بعد کوئی نیا نبی بنا کر نہیں بھیجا جائے گا۔ اسی طرح اَحادیث میں بھی آپؐ نے لفظ نبی بول کر واضح فرما دیا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا بلکہ بعض اَحادیث میں تو آپؐ نے یہاں تک کہہ دیا کہ میرے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا جھوٹا ہوگا۔ آئندہ سطور میں اس بارے بخاری و مسلم کی چند مستند اَحادیث ملاحظہ ہوں:

۱)..... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

’’میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے ایک آدمی محل تیار کرتا ہے اور اسے ہر لحاظ سے خوبصورت بناتا ہے مگر کسی طرف سے اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دیتا ہے۔ دیکھنے والے اسے گھوم پھر کر دیکھتے ہیں اور اس کی خوبصورتی کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ ایک اینٹ کی جگہ کیوں خالی چھوڑ دی ہے؟ [اگر تم یہ اینٹ بھی لگا دو تو یہ عمارت پوری ہو جائے گی! (صحیح مسلم)] پھر نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ وہ اینٹ میں ہوں، اور میں نے نبیوں کا سلسلہ مکمل کر دیا ہے۔‘‘(۱)

ایک اور حدیث میں ہے کہ ’’میں ہی وہ (آخری) اینٹ ہوں اور میں ہی آخری نبیؐ ہوں۔‘‘(۲)

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے اپنے آخری نبی ہونے کا مسئلہ نہایت عام فہم مثال کے ذریعے سمجھا

(۱) [صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب خاتم النبیین (ح ۳۵۳۵) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب ذکر کونہ ﷺ خاتم النبیین (ح ۲۲۸٦)]

(۲) [صحیح مسلم ایضاً]

دیا ہے۔یعنی آپؐ نے نبوت کو ایک ایسے محل، مکان سے تشبیہ دی جو ہر لحاظ سے مکمل ہو چکا ہے مگر جان بوجھ کر اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی۔اس ایک اینٹ کے بعد مزید کسی اینٹ کی جگہ اس میں باقی نہیں۔پھر آپؐ نے نبوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ نبوت و رسالت کا محل بھی مکمل ہو چکا ہے، جو نبی اور رسول آنے تھے آ چکے، البتہ ایک نبی کی جگہ باقی تھی اور وہ ایک نبی میں ہوں۔ میرے آنے کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا اب کسی کو نبی نہ بنایا جائے گا۔

جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو ان کے بارے یہ یاد رہنا چاہیے کہ وہ نئے نبی کی حیثیت سے نہیں آئیں گے، بلکہ وہ تو اللہ کے رسول سے پہلے ہی نبی کی حیثیت سے مبعوث ہو چکے ہیں البتہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت زندہ آسمان پر اٹھا لیا تھا اور قیامت سے پہلے انہیں حضرت محمدؐ کے امتی کی حیثیت سے نازل فرمائیں گے۔وہ کب آئیں گے، ان کی علامات کیا ہوں گی، اس دور کے حالات کیا ہوں گے، یہ اور اس نوعیت کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو ہماری کتاب ''قیامت کی نشانیاں''

۲)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''مجھے دوسرے پیغمبروں پر چھ خاص چیزوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔(۱) مجھے جامع کلمات عطا ہوئے ہیں۔(۲) مجھے رعب کے ذریعہ نصرت عطا ہوئی ہے۔(۳) میرے لیے غنیمت کی چیزیں حلال قرار دی گئی ہیں۔(۴) میرے لیے ساری زمین مسجد اور پاک کر دینے والی بنا دی گئی ہے۔ (۵) مجھے تمام مخلوق کی جانب (رسول بنا کر) بھیجا گیا ہے۔(۶) وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ، نبیوں کا سلسلہ مجھ پر ختم کر دیا گیا ہے۔'' [یعنی آخری نبی بنا کر بھیجا گیا ہے، لہٰذا اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا][1]

۳)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے۔جب کوئی نبی فوت ہو جاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین بنتا۔ [وَاِنَّهٗ لَانَبِيَّ بَعْدِيْ] مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا بلکہ خلفاء ہوں گے۔''[2]

۴)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنِّيْ آخِرُ الْاَنْبِيَآءِ)) ''بے شک میں آخری نبی ہوں۔''[3]

(۱) [صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد ومواضع الصلاة (ح ۵۲۳)]
(۲) [صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل (ح ۳۴۵۵)]
(۳) [صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل الصلاة بمسجدی مکة والمدینة (ح ۱۳۹۴)]

۵)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تیس کے قریب دجال اور جھوٹے نہ ظاہر ہو جائیں جن میں سے ہر ایک ''اللہ کا رسول'' ہونے کا دعویٰ کرے گا۔''[۱]

۶)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں جنہیں دیکھ کر مجھے بڑی پریشانی لاحق ہوئی تو خواب ہی میں مجھے کہا گیا کہ ان میں پھونک ماریں۔ میں نے ان میں پھونکا تو وہ غائب ہو گئے۔ میں اس خواب کی یہ تعبیر کرتا ہوں کہ میرے بعد دو جھوٹے ظاہر ہوں گے ایک تو مُسَیْلَمَہ کذاب ہے اور دوسرا صاحب یمامہ [یعنی اَسْوَدْ عَنسِی] ہے۔''[۲]

نبی کریم کے دور میں مُسَیْلَمَہ اور اَسْوَدْ عَنسِی نامی دو بندوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اَسْوَد تو نبی کریم کی زندگی ہی میں صحابہؓ کے ہاتھوں مارا گیا جبکہ مُسَیْلَمَہ کذاب کو عہدِ صدیقی میں جنگ یمامہ میں صحابہ کرام نے قتل کیا۔ مسیلمہ کذاب نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو اس بنیاد پر نہیں کہ محمدؐ معاذ اللہ جھوٹا اور یہ خود سچا ہے بلکہ اس بنیاد پر کہ جس طرح محمدؐ سچا نبی ہے اسی طرح میں بھی سچا نبی ہوں۔ چنانچہ اس نے نبوت کے دعویٰ کے بعد جو خط آنحضرتؐ کے پاس بھیجا، اس پر یہ تحریر تھا:

"من مسیلمة رسول الله الی محمد رسول الله سلام علیك فانی اشرکت فی الامر معك"

''اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے اللہ کے رسول محمد کی طرف۔ آپؐ پر سلام ہو، سنیے مجھے بھی آپؐ کے ساتھ آپؐ کے معاملات میں شریک کر لیا گیا ہے۔''[۳]

اسی طرح مسیلمہ پر ایمان لانے والوں میں جہاں وہ لوگ شامل تھے جو اسے یقینی طور پر جھوٹا سمجھتے مگر قبائلی عصبیت کے پیش نظر اس کے ساتھ ہوئے، وہاں وہ بھی شامل تھے جو واقعی اسے اللہ کا رسول سمجھتے تھے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے مسیلمہ اور اس کے حواریوں کو خارج از ملتِ اسلام سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ جنگ لڑی، جس میں مسیلمہ اپنے بہت سے ساتھیوں سمیت مارا گیا اور جو باقی بچے انہیں لونڈی غلام بنا لیا گیا۔ نہ تو اس جنگ پر کسی صحابی نے اعتراض کیا اور نہ ہی اس کے ماننے والوں کو قیدی بنانے پر۔ صحابہ کے اس اجماعی فیصلہ سے معلوم ہوا کہ محمدؐ کے بعد دعوائے نبوت کرنے والا اور اس مدعی پر ایمان لانے والا مرتد و کافر ہے۔

(۱) [صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام (ح۳۶۰۹) صحیح مسلم (ح۱۵۷)]

(۲) [صحیح بخاری، ایضاً (ح۳۶۲۱-۳۶۷۴) مسلم (ح۲۲۷۴)] (۳) [تاریخ طبری (ج۲ ص۳۹۹)]

[4]......نبی کریم ﷺ معصوم اور بے گناہ ہیں

کتاب کے مقدمہ میں ہم یہ بات بتا چکے ہیں کہ تمام انبیاء ورسل معاشرہ کے پاکیزہ، صالح، معزز اور معصوم افراد ہوتے ہیں اور ان کے معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو نبوت ورسالت سے پہلے ان سے کوئی ایسا عمل سرزد ہوا جو مقامِ نبوت کے منافی ہو اور نہ ہی نبوت ملنے کے بعد انہوں نے کسی ایسے فعل کا ارتکاب کیا جو ان کی نبوت کو مشکوک ٹھہرا سکتا تھا بلکہ انبیاء ورسل شروع ہی سے اللہ کی خصوصی پناہ میں رہے اور مرتے دم تک اللہ تعالیٰ ان کی خصوصی حفاظت فرماتے رہے تاکہ وہ نبوت ورسالت کی اس عظیم ذمہ داری کو بحسن وخوبی پورا کریں جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا انتخاب فرمایا ہے۔

یہی بات ہمارے نبی ﷺ پر بھی صادق آتی ہے، اس لیے آپ ﷺ کے بارے ہمارا یہ ایمان ہونا چاہیے کہ آپ مَعْصُوْمٌ عَنِ الْخَطَا تھے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر طرح کے گناہ اور جرم سے محفوظ رکھا۔ حضور نبی کریم ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور تریسٹھ سال کی عمر پا کر آپؐ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ گویا اپنی زندگی کا بڑا حصہ آپ ﷺ نے مشرکینِ مکہ کے دوران بسر کیا اور جب آپؐ نبی بنے تو آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے اس بڑے حصے کے بارے میں کفارِ مکہ کو چیلنج کیا کہ بتاؤ! تمہیں میرے اخلاق وکردار پر کوئی اعتراض ہے؟ میں نے عمر کا جو حصہ تم میں گزارا، اس میں کوئی برا کام کیا ہو تو لاؤ ثابت کرو۔ کوئی غیر اَخلاقی حرکت کی ہو تو اس کی نشاندہی کرو۔ کوئی جرم کیا ہو تو اسے پیش کرو۔ کسی کا حق مارا ہو، ظلم کیا ہو، جھوٹ بولا ہو، خیانت کی ہو...... تو آؤ ثابت کرو، مگر کفارِ مکہ کے پاس اس چیلنج کا کوئی جواب نہ تھا۔ قرآن مجید میں اس چیلنج کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

﴿قُلْ لَّوْشَآءَ اللّٰهُ مَاتَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآاَدْرٰكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾

''(اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجیے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو میں تم کو یہ (قرآن) پڑھ کر نہ سناتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ تم کو اس کی اطلاع دیتا کیونکہ اس سے پہلے عمر کا ایک بڑا حصہ میں نے تم میں گزارا ہے۔ پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے!'' [سورۃ یونس:١٦]

یعنی جب میں نے تم سے دنیوی معاملات میں کبھی جھوٹ نہیں بولا تو اللہ اور دین ونبوت کے معاملے

میں آخر جھوٹ کیسے بول سکتا ہوں، چنانچہ کفارِ مکہ بھی آپ ﷺ کو جھوٹا، خائن اور بد اخلاق نہیں کہتے تھے بلکہ وہ تو خود یہ اعتراف کرتے تھے کہ آپؐ ہم میں سے سب سے سچے، دیانت دار اور با اَخلاق ہیں، البتہ وہ آپؐ پر نازل ہونے والے دین کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّٰلِمِينَ بِآيَٰتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴾[سورة الانعام:٣٣]

''پس یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے، البتہ یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴾[سورة الشعرآء:٢١٤]

''آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈراتے رہیے۔''

تو نبی اکرم ﷺ کوہِ صفا پر چڑھے اور پکارنے لگے: اے بنی فہر! اے بنی عدی! اور قریش کے دوسرے خاندان والو!...... اس آواز پر سب جمع ہو گئے۔ اگر کوئی کسی وجہ سے نہ آسکا تو اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا تا کہ معلوم ہو کہ کیا بات ہے۔ ابولہب اور قریش کے باقی لوگ جمع ہو گئے تو آنحضرت ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: ''تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تمہیں کہوں کہ (پہاڑی کے پیچھے) وادی میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم اس بات کو سچ مانو گے؟'' سب لوگوں نے بیک زبان کہا:

((مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا)) ''جی ہاں ہم آپ کو سچا سمجھیں گے کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا پایا ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر سنو، میں تمہیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو میرے بالکل سامنے ہے۔ آپ کی یہ بات سن کر ابولہب (حضورؐ کے ایک چچا) نے کہا: تجھ پر سارا دن تباہی نازل ہو، کیا تو نے ہمیں اسی کام کے لیے جمع کیا تھا۔ ابولہب کی اس بات پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ ﴾[سورة اللهب:١،٢][1]

''ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ برباد ہو گیا۔ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔''

یعنی جب آپؐ دنیوی اعتبار سے لوگوں کو کچھ کہتے تو وہ بغیر شک وشبہ کے اسے تسلیم کر لیتے، مگر جب آپؐ نے دینی واُخروی اعتبار سے بات کہنا چاہی تو آپؐ کے چچا اور قریبی لوگوں ہی نے آپ کی مخالفت شروع کر دی۔ اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ آپؐ کے دعوائے نبوت کے بعد بھی دنیوی معاملات میں کفارِ مکہ

(١) [صحيح بخاری، كتاب التفسير، باب قوله : تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ ......(ح٤٧٧٠)]

آپ کو جھوٹا نہیں کہتے تھے۔ اس سلسلہ میں درج ذیل واقعہ قابل مطالعہ ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے دورِ جاہلیت کا ایک واقعہ انہیں سنایا کہ جب وہ قریش کے ایک قافلے کے ساتھ تجارت کے لیے ملکِ شام کی طرف گیا تو ہرقل (شاہِ قسطنطنیہ) نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا تا کہ اللہ کے رسولؐ کے بارے میں اس سے کچھ سوال کرے (اس کی وجہ یہ تھی کہ انہی دنوں ہرقل کو نبی ﷺ کی طرف سے نامہ مبارک ملا تھا جس میں اسے اسلام کی دعوت پیش کی گئی تھی)

ہرقل نے روم کے بڑے بڑے وزراء اور عیسائی علماء کو اِیْلِیَاء میں جمع کیا اور وہاں مجھے اور اپنے ترجمان کو بلوایا۔ قریش کے دیگر لوگ بھی میرے ساتھ تھے۔ ہرقل نے مجھے آگے کر دیا اور میرے قریشی ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھا دیا اور اپنے ترجمان سے کہا کہ اس سے کہہ دو کہ میں محمد ﷺ کے بارے میں کچھ سوال کروں گا، اگر یہ غلط بیانی کرے تو تم اسے ٹوک دینا۔ ابوسفیان کہتے ہیں: اللہ کی قسم اگر مجھے یہ غیرت نہ آتی کہ یہ (قریشی) لوگ میرے جھوٹ بولنے پر فوراً مجھے جھٹلائیں گے تو میں آپ کی نسبت ضرور جھوٹ بولتا۔

اس کے بعد ہرقل نے ابوسفیان سے دس سوال کیے، جن میں سے چند سوال یہ تھے:

ھرقل: کیا اس شخص (یعنی محمدؐ) نے اپنے دعوائے نبوت سے پہلے زندگی میں کبھی جھوٹ بولا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ھرقل کیا اس نے کبھی عہد و پیمان توڑنے کا ارتکاب بھی کیا ہے؟

ابوسفیان: نہیں، البتہ اس سال ہمارا اس سے ایک معاہدۂ صلح ہوا ہے، دیکھیے یہ اسے باقی رکھتا ہے یا نہیں۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ یہی ایک بات تھی جس کا مجھے اپنی طرف سے اضافہ کرنے کا موقع مل سکا۔ [یعنی ابوسفیان کو علم تھا کہ حضورؐ ان کے ساتھ کیے ہوئے اس معاہدہ صلح کی خلاف ورزی نہیں کریں گے، مگر اس کے باوجود اس نے آپ کی مخالفت میں یہ کہہ دیا کہ ''دیکھیے اس بار کا معاہدہ یہ توڑتے ہیں یا نہیں!'']

ھرقل: وہ تمہیں کس بات کا حکم دیتا ہے؟

ابوسفیان: وہ کہتا ہے کہ صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور اپنے باپ دادا کی شرکیہ باتیں چھوڑ دو، نماز پڑھو، سچ بولو، پاک دامن بنو اور صلہ رحمی کرو۔

ھرقل: ان تینوں سوالات کے بعد ہرقل نے کہا: جب میں نے تم سے یہ پوچھا تھا کہ دعوائے نبوت سے پہلے کبھی اس نے جھوٹ بولا؟ تم نے جواب میں کہا نہیں۔ تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ جو شخص لوگوں کے ساتھ

جھوٹ نہیں بولتا، وہ اللہ کے بارے میں جھوٹی بات کیسے کہہ سکتا ہے۔ اور جب میں نے تم سے یہ پوچھا کہ اس نے کبھی عہد شکنی کی، اور تم نے کہا کہ نہیں تو میں سمجھ گیا کہ نبیوں کا یہی وصف ہے کہ وہ عہد کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ اور جب میں نے تم سے پوچھا کہ وہ کس چیز کا حکم دیتا ہے؟ اور تم نے کہا کہ ایک اللہ کی عبادت کرنے، شرک سے بچنے، نماز پڑھنے، سچ بولنے، پرہیز گاری اور پاکدامنی اختیار کرنے کا، تو سنو! اگر یہ باتیں، جو تم کہہ رہے ہو، سچ ہیں تو پھر وہ وقت دور نہیں جب وہ اس جگہ کا بھی مالک بن جائے گا، جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں۔" [یعنی میری سلطنت بھی اس کے زیرِ فرمان آ جائے گی!](۱)

یہ تو گھر کے باہر کے لوگوں کی آنحضرت ﷺ کے اعلیٰ اخلاق و کردار کے بارے چند گواہیاں تھیں، اب ایک گواہی آپ ﷺ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے بھی سن لیجیے:

آنحضرت ﷺ نبوت سے کچھ عرصہ پہلے غارِ حرا میں جا کر خلوت میں اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی غارِ حرا میں وہ مبارک دن طلوع ہوا جب جبریل علیہ السلام وحی لے کر آپ کے پاس پہنچے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ آپ نے ایک نورانی مخلوق کو اپنے پاس آتے اور آ کر گفتگو کرتے دیکھا۔ آپؐ کے لیے یہ بڑا انوکھا واقعہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ کی روایت میں فرماتی ہیں کہ

"آنحضرت ﷺ (پہلی وحی کی) آیتیں حضرت جبریل علیہ السلام سے سن کر اس حال میں غارِ حرا سے واپس تشریف لائے کہ آپ ﷺ کا دل اس انوکھے واقعہ سے کانپ رہا تھا۔ آپؐ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔ اہل خانہ نے کمبل اوڑھا دیا۔ جب آپ کی گھبراہٹ دور ہوئی تو آپ نے اپنی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تفصیل کے ساتھ اپنا یہ (فرشتے کے آنے کا) واقعہ سنایا اور فرمانے لگے کہ مجھے اب اپنی جان کا خوف لاحق ہو گیا ہے۔ آپ کی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو حوصلہ دیا اور کہا کہ آپ کا یہ خیال صحیح نہیں۔ اللہ کی قسم! اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ تو کنبہ پرور ہیں، بے کسوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، مشکل وقت میں حق بات پر ڈٹ جاتے ہیں...... اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔"(۲)

بشری تقاضے:

گزشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ سے پوری زندگی میں کبھی کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہوا جسے فسق

(۱) [صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی (باب ٦ ح٧)] (۲) [بخاری ایضاً (باب ۲ حدیث ۳۔ ٤٩٥٣)]

وفجور یا کفر وشرک یا معصیتِ خداوندی وغیرہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہو، تاہم بشر ہونے کے ناطے آپ ﷺ سے بعض ایسے امور ظاہر ہوئے ہیں جنہیں بھول چوک، (سہو ونسیان) اور غفلت وغیرہ کے زمرہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ یقیناً یہ ایسے امور ہیں جن پر ایک عام انسان کو بھی ملامت نہیں کیا جاسکتا اور اللہ تعالیٰ چاہتے تو آنحضرت ﷺ سے ان امور کا ظہور بھی نہ ہوتا مگر یہ اللہ تعالیٰ کی خاص حکمت تھی کہ آپ سے ان امور کا اظہار کروایا اور ان کے ذریعے بھی امت کو کوئی نہ کوئی سبق (دین) دیا گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو امت بعض مسائل واحکام سے یقیناً محروم رہ جاتی مثلاً:

آپ ﷺ سے ایک مرتبہ نماز میں چوک ہوئی اور آپؐ نے چار رکعات کی بجائے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ لوگ آپ کے ادب واحترام اور ہیبت کے پیش نظر خاموش رہے حتی کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر کو بھی بات کرنے کی جرأت نہ ہوئی، چنانچہ ایک صحابی جنہیں ذوالیدین کے لقب سے پکارا جاتا تھا، انہوں نے ہمت کر کے اللہ کے رسول ﷺ سے کہا:

((اَقُصِرَتِ الصَّلَاةُ اَمْ نَسِيْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ!؟))

''اے اللہ کے رسولؐ! کیا نماز میں (اللہ کی طرف سے) تخفیف کر دی گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟''

آپ ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا: کیا ذوالیدین درست کہہ رہا ہے؟

لوگوں نے کہا: ہاں، چنانچہ آپؐ نے مزید دو رکعتیں پڑھائیں اور سجدہ سہو کیا۔''(۱)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ظہر کی نماز کی پانچ رکعتیں پڑھا دیں بعد میں آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا نماز بڑھا دی گئی ہے؟ آپؐ نے پوچھا وہ کیسے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ آپ ﷺ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے باوجود سجدہ سہو کیا۔(۲)

ان دونوں موقعوں پر آپؐ سے جو بھول ہوئی یا اللہ کی طرف سے بھلایا گیا، اس کے ذریعے امت کو یہ سبق دیا گیا کہ نماز میں بھول چوک کے موقع پر سجدہ سہو کیا جائے گا اور اگر کوئی رکعت رہ جائے تو سجدہ سہو سے پہلے اسے بھی پڑھا جائے گا۔

(۱) [صحیح بخاری، کتاب السهو، باب من لم يتشهدفي سجدتي السهو(ح۱۲۲۸-ح۱۲۲۹)]

(۲) [صحیح بخاری، ایضاً، باب اذاصلى خمسا(ح۱۲۲۶)]

[5]......نبی کریم ﷺ نے اللہ کا پیغام پوری ذمہ داری سے لوگوں تک پہنچا دیا

ہر نبی اور رسول کو اللہ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ وہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے اللہ کی طرف سے آنے والے پیغام کو اپنی امتوں تک پہنچا دیں۔ چنانچہ تمام انبیاء نے اپنی ذمہ داری کو کماحقہ پورا کیا اور اس سلسلہ میں کسی ملامت، ڈر اور خوف کی پروا نہ کی۔ یہی بات ہمارے حضورؐ پر بھی صادق آتی ہے، لہٰذا آپ ﷺ پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپؐ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے جو پیغام نازل کیا، اُسے آپؐ نے من وعن امت تک پہنچا دیا اور اس سلسلہ میں آپؐ نے کوئی سستی یا غفلت نہیں دکھائی، کیونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ کوئی مانے یا نہ مانے، آپ کا کام یہ ہے کہ آپؐ اللہ کی طرف سے آنے والے دین کو لوگوں تک پہنچا دیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنْ أَعْرَضُوا فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا إِنْ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴾[الشوریٰ:٤٨]

''اگر یہ (منکرین) منہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا (بلکہ) آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔''

ایک اور آیت میں یہی بات اس سے زیادہ تاکید کے ساتھ کہی گئی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ﴾[سورة المائدة:٦٧]

''اے رسولؐ! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، اسے [امت تک] پہنچا دیجیے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی۔''

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

((مَنْ حَدَّثَكَ أَنَّ مُحَمَّدًا كَتَمَ شَيْئًا مِمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ فَقَدْ كَذَبَ وَاللّٰهُ يَقُولُ : يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾[سورة المائدة:٦٧]

''جس شخص نے تمہیں یہ کہا کہ محمد ﷺ نے اللہ کی طرف سے نازل ہونے والے دین میں سے کوئی چیز

چھپالی تھی تو اس نے جھوٹ بولا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا: اے رسولؐ! جو کچھ بھی آپ کی طرف آپؐ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، اسے [امت تک] پہنچا دیجیے۔ اگر آپؐ نے ایسا نہ کیا تو آپؐ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی۔"(۱)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

((مَنْ حَدَّثَكَ اَنَّ النَّبِيَّ كَتَمَ شَيْئًا مِنَ الْوَحْيِ فَلَا تُصَدِّقْهُ))

"جس شخص نے تمہیں یہ کہا کہ محمد ﷺ نے اللہ کی طرف سے نازل ہونے والے دین [وحی] میں سے کوئی چیز چھپالی تھی تو اس کی تصدیق نہ کرو۔"(۲)

اللہ کے رسولؐ کے بارے میں یہ اس خاتون کی گواہی ہے جسے نہ صرف یہ کہ حضورؐ کا شرفِ زوجیت نصیب ہوا بلکہ ان کی صداقت و پاکدامنی پر قرآن مجید کی سورۂ نور کی بعض آیات بھی نازل ہوئیں۔ اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر یہی گواہی ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرامؓ نے بھی دی تھی، چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ [حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہؓ سے خطاب کرتے ہوئے] اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَالَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابُ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تُسْاَلُوْنَ عَنِّيْ فَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ؟ قَالُوْا: نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ فَقَالَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَابَةِ يَرْفَعُهَا اِلَى السَّمَاءِ وَيَنْكُتُهَا اِلَى النَّاسِ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ! ثَلَاثَ مَرَّاتٍ))

"میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب (قرآن مجید)۔ لوگو! تم سے میرے بارے میں سوال ہو گا، بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟۔ لوگوں نے بیک زبان کہا کہ "ہم گواہی دیں گے کہ بے شک آپؐ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے، اس [ذمہ داری] کا حق ادا کر دیا ہے اور آپؐ نے پوری خیر خواہی سے کام لیا ہے۔"
یہ جواب سن کر آپؐ اپنی انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھاتے اور کبھی اسے ان لوگوں کی طرف جھکاتے اور اس حالت میں آپؐ نے تین بار فرمایا: یا اللہ! گواہ ہو جا۔"(۳)

(۱) [صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب تفسیر قوله تعالیٰ: یاایها الرسول بلغ……(ح۴۶۱۲)]
(۲) [صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول الله تعالیٰ: یاایها الرسول بلغ……(ح۷۵۳۱)]
(۳) [صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حجة النبی (ح۱۲۱۸)]

اللہ کے رسول ﷺ کے پیغامِ رسالت کا فریضہ کماحقہ انجام دینے کے بارے میں یہ ان ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگوں کی گواہی تھی جنہیں روئے زمین پر جنت کا سرٹیفکیٹ ملا ہے......!

حضرت سلمان فارسیؓ سے کسی [غیر مسلم] نے طنزیہ انداز میں کہا: ''کیا تمہارا نبی تمہیں ہر چیز سکھاتا ہے حتی کہ پاخانے وغیرہ کا طریقہ بھی بتاتا ہے؟'' تو حضرت سلمانؓ نے [فخر سے] کہا:

''ہاں، ہمارا نبی ہمیں ہر چیز سکھاتا ہے اور قضائے حاجت کے سلسلہ میں آپؐ نے ہمیں یہ اَدب سکھایا ہے کہ ہم پیشاب یا پاخانے کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے نہ بیٹھیں اور [مٹی سے استنجا کرتے وقت] تین سے کم ڈھیلے استعمال نہ کریں اور استنجاء کے لیے لید [گوبر] یا ہڈی استعمال نہ کریں۔''[1]

معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کی طرف سے آنے والے پیغام اور ربانی ہدایت کو بلا کم و کاست اُمت تک پہنچا دیا حتی کہ قضائے حاجت سے تعلق رکھنے والی ہدایات کو بھی آپؐ نے نظر انداز نہ کیا۔ اور آپ نے امت کو جو تعلیم دی، اس میں کہیں کوئی ابہام نہ چھوڑا۔ آپ نے خود اس بات کا اس طرح اظہار فرمایا:

((قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ))

''میں تمہیں ایسے سفید [روشن] دین پر چھوڑ کر جا رہا ہوں جس کی راتیں بھی دن کی طرح روشن ہیں اور میرے بعد جو اس سے ہٹ گیا، سمجھو وہ ہلاک ہو گیا۔''[2]

کیا آپ نے حضرت علیؓ یا اہل بیت کے لیے کوئی علم مختص کیا تھا:

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کوئی مخفی علم دیا تھا جو انہوں نے اپنے خاندان کے چیدہ چیدہ افراد کو سکھایا اور وہ علم اسی راز داری کے ساتھ آگے سے آگے منتقل ہو رہا ہے۔

حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ شبہ دو وجہ سے پیدا ہوا، ایک تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، اللہ کے رسولؐ کے داماد تھے اور دوسرے لوگوں کی نسبت ان کا آپ کے پاس آنا جانا زیادہ ہوتا تھا، اس لیے آپ کے بارے بعض لوگوں کو شک ہوا کہ شاید آپ کو اللہ کے رسول نے کوئی ایسا علم بھی دیا ہو جو اور لوگوں کو نہیں دیا۔ بعض لوگوں نے تو یہاں تک دعویٰ کر ڈالا کہ آپ کو واقعتاً کوئی علم دیا گیا تھا اور پھر اس کی تشخیص کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ وہ جفر و اعداد کا علم تھا جس سے قسمت معلوم کی جاتی ہے۔ یہ خلافِ حقیقت دعویٰ ہے، ہم نے جادو، جنات

(۱) [صحیح مسلم: کتاب الطھارۃ، باب الاستطابۃ (ح ۲۶۲)]

(۲) [احمد (ج ۴ ص ۱۲۶) ابن ماجہ، المقدمہ، باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین (ح ۴۳) حاکم (ج ۱ ص ۹۶)]

اور غیبی علوم کے موضوع پر لکھی گئی اپنی ایک کتاب☆ میں اس دعوے کی قلعی کھول دی ہے اور علم جفر و اعداد کی حقیقت کو بھی واضح کیا ہے۔

اس شبہ کی دوسری وجہ ان یہودی نژاد اسلام دشمنوں کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے غلط پروپیگنڈہ تھا جو اسلام دشمنی میں بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھے مسلمانوں کی صفوں میں گھس آئے تھے۔ ان کے پروپیگنڈہ سے بہت سے لوگ متاثر ہوئے، چنانچہ سب سے پہلے حضرت علیؓ ہی کے دورِ خلافت میں بعض لوگوں نے اس شبہ کا اظہار کیا جبکہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے اس شبہ کی صاف تردید کی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا:

((مَاکَانَ النَّبِیُّ یُسِرُّ اِلَیْكَ؟))

''ہمیں بھی بتائیے کہ وہ کیا چیز ہے جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص آپ ہی کو نوازا ہے؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کی یہ بات سن کر غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے:

((مَاکَانَ النَّبِیُّ یُسِرُّ اِلَیَّ شَیْئًا یَکْتُمُهُ النَّاسَ غَیْرَ اَنَّهُ قَدْحَدَّثَنِیْ بِکَلِمَاتٍ اَرْبَعٍ......))

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے چھپا کر کوئی اضافی بات مجھے کبھی نہیں بتائی۔ البتہ چار باتیں ایسی ہیں جو اللہ کے رسول نے مجھے بتائی ہیں۔ اس آدمی نے کہا: امیر المؤمنین! وہ کون سی چار باتیں ہیں؟ تو حضرت علیؓ نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ بیان فرمایا کہ

۱۔ اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جس نے اپنے ماں باپ کو لعنتی (اور برا بھلا) کہا۔

۲۔ اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جس نے غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کیا۔

۳۔ اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو جس نے کسی بدعتی کو جگہ دی۔

۴۔ اس پر بھی اللہ کی لعنت ہو جس نے (اپنی زمین بڑھانے کے لیے) زمین کی حدوں کو تبدیل کیا۔''(۱)

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب تحریم الذبح لغیر اللہ تعالیٰ ولعن فاعله(ح۱۹۷۸)]

☆......[ہماری یہ کتاب پہلے: عاملوں، جادوگروں اور جنات کا پوسٹمارٹم کے نام سے شائع ہوئی تھی مگر اس کی افادیت کے پیش نظر اب ہم نے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے: ایک حصے کا نام ہے: انسان اور جادو جنات، جبکہ دوسرے حصہ کا نام ہے: انسان اور کالے پیلے علوم۔ زیرِ نظر تفصیل اب اس دوسرے حصہ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ مؤلف]

یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے اوراہلسنہ کے ہاں اس حدیث کی سند میں کوئی شک نہیں۔لہذا اس حدیث کی رو سے حضرت علیؓ نے خود ہی یہ واضح کر دیا کہ مجھے اللہ کے رسول نے کوئی اضافی یا مخصوص علم نہیں دیا کہ جس سے دوسرے لوگوں کو آپؐ نے محروم رکھا ہو۔ پھر حضرت علیؓ کے ذہن میں بات آئی کہ اللہ کے رسول کی ایک حدیث ایسی ہے جسے آپؐ نے مجھ سے بیان کیا اور شاید وہ حدیث کسی اور سے آپؐ نے بیان نہ فرمائی ہو، چنانچہ یہ خیال آتے ہی حضرت علیؓ نے وہ حدیث بھی آگے سنا دی تا کہ اس غلط فہمی کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ازالہ کر دیا جائے۔لیکن افسوس کہ آج بھی بعض لوگ اسی غلط فہمی کا شکار ہیں......!

اس بحث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو اللہ کی طرف سے جو دین دیا گیا، آپؐ نے بلا کم و کاست وہ دین امت کو پہنچا دیا اور اس دین کا کوئی حصہ کسی خاص فرد، قبیلے یا اپنے خاندان کے لیے مختص نہیں کیا۔ کیونکہ یہ دین ساری امت کے لیے تھا، اس لیے ضروری تھا کہ اسے اس انداز سے امت تک پہنچا دیا جائے کہ کل کلاں امت کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ فرد بھی اگر دین کے کسی حکم تک براہ راست رسائی پانا چاہے تو اس کے لیے اس میں کوئی رکاوٹ اور مشکل نہ ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ قرآن و حدیث کی شکل میں دین کی پوری تصویر امت کے لیے بالکل واضح ہونے کے باوجود اس دین سے ہر کوئی اتنا ہی مستفید ہو سکتا ہے جتنا اس کا ظرف ہے، یا دوسرے لفظوں میں جتنی اسے اللہ توفیق دے......!



[6]......نبی کریم ﷺ اللہ کی طرف سے جو دین لائے، اس پر ایمان

آپ ﷺ پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر بھی ایمان لایا جائے کیونکہ آپ ﷺ پر ایمان لانے کا اصل مقصود ہی یہ ہے کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت کو دل و جان سے تسلیم کیا جائے اور آپ ﷺ کی بتائی ہوئے تعلیمات پر عمل کیا جائے کیونکہ اب تا قیامت یہی حق ہے اور یہی معیارِ نجات بھی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَآمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾[سورة محمدؐ:۲]

''اور جو لوگ اس چیز پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کی گئی ہے، اور دراصل ان کے رب کی طرف سے سچا دین بھی وہی ہے [جو محمدؐ پر نازل کیا گیا]۔''

آپ ﷺ کو اللہ کی طرف سے ایک تو قرآن مجید دیا گیا اور دوسری یہ اتھارٹی دی گئی کہ اس قرآن کی تشریح و تفصیل یا دین کے کسی بھی مسئلہ کی توضیح و تبیین کے سلسلہ میں آپؐ اپنے قول یا عمل سے جو کچھ فرما دیں، وہ بھی امت کے لیے دین کا حصہ بن جائے۔ اس کی ایک دلیل تو قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾[سورة النجم:۴،۳]

''اور وہ [نبیؐ] اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے، وہ تو صرف وحی ہے جو [اُن پر] اتاری جاتی ہے۔''

یعنی دین کے معاملے میں حضور ﷺ اپنی ذاتی رائے سے نہ کچھ فرماتے ہیں اور نہ کچھ کرتے ہیں بلکہ آپؐ وہی کچھ کرتے اور وہی کچھ فرماتے ہیں جس کا حکم یا اجازت اللہ کی طرف سے آپ کو حاصل ہو۔

اسی طرح ایک دلیل صحیح مسلم کی وہ مستند حدیث ہے جس میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللّٰهِ شَيْئًا فَخُذُوْا بِهِ فَإِنِّيْ لَنْ أَكْذِبَ عَلَى اللّٰهِ))

''جب میں تمہیں اللہ کی طرف سے (یعنی دین سے) کوئی چیز دوں، تو اسے پکڑ لو، کیونکہ میں ہرگز یہ جرأت نہیں کر سکتا کہ اللہ کی طرف کوئی جھوٹ منسوب کروں۔''[1]

اسی طرح ایک دلیل حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے مروی یہ صحیح حدیث ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ماقاله شرعاً (ح ۲۳۶۱)]

((اَلَاۤ اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ))

''آگاہ رہو! مجھے قرآن دیا گیا اور اس کے ساتھ اس جیسی ایک چیز اور بھی (یعنی حدیث)۔''[1]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول کی احادیث یاد کرنے کے لیے آپؐ سے جو بات سنتا، اسے لکھ لیتا۔ قریش کے بعض لوگوں نے مجھے اس بات سے منع کیا کہ اللہ کے رسول بھی ایک بشر ہیں، کبھی آپ غصے میں گفتگو کرتے ہیں اور کبھی خوشی میں (لہٰذا تم آنحضرت ﷺ کی ہر بات لکھا نہ کرو) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے احادیث لکھنا چھوڑ دیں اور پھر آنحضرتؐ سے قریش کی اس بات کا تذکرہ بھی کیا تو آپ ﷺ نے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

((اُکْتُبْ فَوَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ مَا یَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا الْحَقُّ))

''تم احادیث لکھا کرو، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔''[2]

آپ ﷺ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ آپؐ نبی تھے اور دین کے معاملے میں آپ ﷺ کا ہر قول وفعل وَحیِ الٰھی کی روشنی میں انجام پاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ورسول کے علاوہ کوئی اور شخص ہرگز یہ دعوٰی نہیں کرسکتا کہ اس کی زبان سے حق کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا......!

ایک حدیث میں تو آپ نے واضح طور پر فرمادیا: ''میں تمہارے اندر دوایسی چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں کہ اگر تم ان پر عمل کروگے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے: ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت ہے۔''[3]

مذکورہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ جس طرح قرآن مجید دین کا ایک مأخذ ہے اسی طرح حدیث بھی دین کا ایک مأخذ ہے اور ایک مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دین کے کسی مأخذ ہی کا انکار کردے۔ منکرینِ حدیث کی گمراہی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے نبی کریم کی حدیث کو وحی تسلیم کرنے اور اسے دین میں ایک مأخذ وحجت تسلیم کرنے سے صاف انکار کردیا۔ بعض لوگ حدیث کو بطورِ تائید واستشہاد پیش تو کرتے ہیں مگر اسے وحی تسلیم نہیں کرتے، حالانکہ نتیجہ کے اعتبار سے یہ رویہ بھی انکارِ حدیث ہی کی ایک نئی شکل ہے۔

---

(۱) [سنن ابو داؤد، کتاب السنة، باب لزوم السنة (ح۴۵۹۳) مسند احمد (ج۴ ص۱۳۰)]

(۲) [سنن ابو داؤد، کتاب العلم، باب کتابة العلم (ح۳۶۴۳) احمد (ج۲ ص۱۶۲، ۱۹۲) حاکم (ج۱ ص۱۰۴) سلسلة الاحادیث الصحیحة للالبانیؒ (۱۵۳۲)]

(۳) [صحیح الجامع الصغیر۔ للالبانیؒ (ح۲۹۳۴)]

[7]......نبی کریم ﷺ کے معجزات اور علاماتِ نبوت

معجزہ کیا ہے؟

نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ ﷺ کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے معجزات پر بھی ایمان لایا جائے۔ معجزہ دراصل کسی ایسے خرقِ عادت معاملے کو کہا جاتا ہے جو کسی نبی سے ظاہر ہو اور دوسرے لوگ اس جیسا معاملہ پیش کرنے سے عاجز آ جائیں مثلاً نبی اکرمؐ کا ایک معجزہ یہ تھا کہ آپ نے اللہ کے حکم سے چاند کی طرف انگلی سے اشارہ کیا اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ کوئی اور انسان اپنی انگلی کے اشارے سے اس طرح چاند کے دو ٹکڑے نہیں کر سکتا۔ حضرت ابراہیمؑ کو ان کے دور کے کافروں نے بھڑکتی آگ میں پھینک دیا مگر وہ آگ اللہ کے حکم سے ٹھنڈی ہو گئی اور آپؑ اس آگ سے محفوظ رہے۔ کسی اور انسان کو آگ میں ڈالا جائے تو وہ اس طرح محفوظ نہیں رہتا۔ حضرت صالحؑ کے لیے اللہ کے حکم سے ایک پہاڑ سے صحیح سالم اونٹنی نکل آئی۔ کسی اور انسان کے کہنے پر اس طرح پہاڑ سے کبھی اونٹنی نہیں نکلتی۔

گویا دوسرے لوگوں کے عاجز آ جانے ہی کی وجہ سے ایسے واقعات کو معجزات کہا جاتا ہے، تاہم قرآن و حدیث میں ایسے واقعات کے لیے آیة، آیات، بینة، مبصرة اور برهان وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، مگر لوگوں میں لفظِ معجزہ ہی زیادہ مشہور ہو گیا ہے۔

معجزہ، کرامت اور شعبدہ:

معجزہ ہی سے ملتا جلتا اگر کوئی خرقِ [خلافِ] عادت واقعہ اللہ کے نبیوں کے علاوہ کسی نیک اور متقی [ولی] بندے کے ساتھ پیش آ جائے تو اسے کرامت کہا جاتا ہے۔ نیکی اور تقویٰ کے لحاظ سے انبیاء کے بعد بالاتفاق صحابہ کرام کا درجہ ہے جنہیں اخلاص و تقویٰ کی وجہ سے دنیا ہی میں جنت کی بشارت بھی دی گئی۔ بخاری و مسلم اور دیگر صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان صحابہ میں سے بعض کے ساتھ چند خرقِ عادت واقعات بھی پیش آئے۔ ان سب واقعات [کرامات] کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کوئی بڑے سے بڑا واقعہ بھی ایسا نہیں جو کسی نبی کے نمایاں معجزہ سے مقابلہ کر سکے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ معجزہ اور کرامت میں مجموعی طور پر تھوڑی بہت مماثلت تو ہوتی ہے مگر کلی مطابقت نہیں ہوتی۔ اس سے ان

لوگوں کی غلط فہمیوں کا بھی ہمیشہ کے لیے ازالہ ہوجاتا ہے جو پیروں، مرشدوں اور بزرگوں کی طرف منسوب ایسی ایسی بے سند کرامتیں سناتے ہیں جو صحابہ تو کجا انبیاء ورسل کے ساتھ بھی ظاہر نہ ہوئی تھیں۔

معجزات وکرامات سے ملتے جلتے بعض واقعات فاسق وفاجر لوگوں کے ہاتھوں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ انہیں شعبدہ بازی کہا جاتا ہے۔ عام طور پر ان کا ظہور جنات وشیاطین اور جادوئی عملیات کا مرہون منت ہوتا ہے۔ 'ہاتھ کی صفائی' بھی اس میں کام دکھاتی ہے۔ 'پڑھے لکھے' لوگ اس سلسلہ میں علم نفسیات، مسمریزم اور ہپناٹزم وغیرہ سے بھی مدد لیتے ہیں۔ [اس موضوع کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب: انسان اور کالے پیلے علوم کا مطالعہ مفید رہے گا۔]

معجزہ اور کرامت کا اختیار اللہ کے پاس ہوتا ہے:

معجزات کے سلسلہ میں یہ بات یاد رہے کہ معجزہ خالص اللہ کے حکم اور مرضی سے ظاہر ہوتا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ انبیاء ورسل جب چاہتے اپنی مرضی سے کوئی معجزانہ کام دکھادیتے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات کفار نے نبیوں سے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا مگر اللہ کی مرضی نہ تھی اس لیے معجزہ ظاہر نہ ہوا۔ اس سے ان لوگوں کا بھی رد ہوجاتا ہے جو اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اولیاء جب چاہیں کرامتیں دکھا سکتے ہیں۔ جب انبیاء کے لیے یہ ممکن نہ تھا تو اولیاء کے لیے یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟!

معجزات کے ظہور کا مقصد وضرورت؟

معجزات کے سلسلہ میں بعض اوقات یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان کا مقصد کیا ہوتا تھا؟ انبیاء ورُسل کے ساتھ پیش آنے والے معجزات کا ان کے پس منظر کے ساتھ مطالعہ کرنے سے ہمیں اس سوال کا جواب مل جاتا ہے، اور وہ یہ کہ معجزات کے ظہور کی درج ذیل بڑی وجوہات ہوتی تھیں:

۱)......انبیاء ورُسل کے دور میں ان سے متاثر ہونے والے اور غیر جانبدار رہنے والے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس انتظار میں رہتے ہیں کہ اگر نبی کوئی عجیب وغریب چیز پیش کرے تو پھر یقین آجائے گا کہ یہ واقعی سچا ہے۔ ان لوگوں کی تسلی اور اطمینان کے لیے اللہ تعالیٰ بعض ایسے معاملات ظاہر فرمادیتے جو ان کے لیے نبوت کی علامت قرار پاتے، اسی لیے بعض اہل علم معجزات کو علاماتِ نبوت بھی کہتے ہیں۔

۲)......بعض ایسے سرکش ہوتے جو نبی کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے عجیب وغریب چیزوں کا مطالبہ کرتے۔

ان کا منہ چپ کرانے اوران پر حجت قائم کرنے کے لیے بھی اللہ تعالیٰ بعض ایسے معاملات ظاہر فرماتے۔

۳)......بعض اوقات نبی اوراس پر ایمان لانے والوں کی نصرت وتائید کے لیے بھی معجزات رونما ہوتے۔

۴)......بعض اوقات ایمان والوں کے ایمان کی مزید پختگی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ معجزات ظاہر فرماتے۔اسی لیے ہم نے ''نبی اکرمؐ پر ایمان'' کے باب میں معجزات کو شامل کیا ہے۔

کیا معجزات کے پسِ پردہ مخفی اَسباب وعلل کارفرما ہوتے ہیں؟

اس کائنات میں ہر آن جو کچھ ظاہر ہورہا ہے اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ اور علت ہوتی ہے۔روشنی اور گرمی کی علت سورج ہے۔آسمان سے بارش کے ذریعے برسنے والے پانی کی علت وسبب سمندروں اور دریاؤں کے پانی ہی کے وہ بخارات ہیں جوحرارت اور تپش سے اُوپر اٹھ جاتے ہیں۔بچے کی پیدائش کی علت وسبب وہ نطفہ ہے جورحم مادر میں قرار پکڑتا ہے۔اسی طرح اَرض وسماء میں رونما ہونے والے جس واقعہ کی بھی آپ تحقیق کریں گے،اس کے پیچھے ایسے ہی ظاہر یا مخفی اَسباب وعلل کارفرما دکھائی دیں گے۔

معجزات سے متعلقہ واقعات چونکہ ان اَسباب وعلل پر مبنی نہیں ہوتے اس لیے مادہ پرستوں کی طرح بعض مسلم فلاسفہ بھی ان معجزات کے سلسلہ میں عجیب وغریب غلط فہمیوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔بعض کو تو اس وقت تک تسلی نہیں ہوتی جب تک کہ وہ ان معجزات کی کوئی ایسی توجیہ نہ کرلیں جو انہیں اَسباب وعلل کے ساتھ مربوط بناتی ہو اور بعض اس مغز ماری میں پڑے بغیر صاف طور پر ان معجزات کا سرے سے انکار ہی کردیتے ہیں......!

معجزات کے سلسلہ میں یہاں ہم صرف یہی کہیں گے کہ جس مالک الملک نے اس ساری کائنات کو پیدا کیا اوراسے اَسباب وعلل کے ساتھ مربوط کیا،وہ چاہتا تو اَسباب وعلل کے بغیر بھی اس کائنات کا نظام چلا سکتا تھا۔اس کی قدرتِ کاملہ پر یقین رکھنے والے اس بات سے ہرگز انکار نہیں کرسکتے۔لہٰذا جب اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پوری کائنات کا نظام بغیر اَسباب وعلل کے چل سکتا تھا تو پھر اس کائنات میں ظہور پذیر ہونے والے کسی چھوٹے سے واقعہ کے لیے آخر یہ کیوں تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ وہ بغیر کسی ظاہری یا مخفی سبب کے خالص اللہ کے حکم سے ظاہر ہوگیا ہے......؟!

معجزات اور علاماتِ نبوت سے متعلقہ صحیح اَحادیث:

آئندہ سطور میں اختصار کے پیش نظر صرف بخاری ومسلم کی صحیح احادیث پر اکتفا کرتے ہوئے ہم نبی کریم

ﷺ کے معجزات اور علاماتِ نبوت سے متعلقہ چنداً حادیث ذکر کررہے ہیں:

۱)......حضرت انس رضی اللہ عنہ [اللہ کے رسولؐ کے بچپن کا ایک واقعہ] بیان کرتے ہیں کہ

''حضرت جبریل علیہ السلام اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے، جبکہ آپؐ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ جبریلؑ نے آپ کو پکڑ کر لٹایا، آپؐ کے دل کے قریب سے [سینہ] چاک کرکے دل نکالا پھر دل سے کچھ جما ہوا خون نکالا اور کہا: یہ آپ کے [جسم کے] اندر شیطان کا حصہ تھا۔ پھر جبریل نے آپؐ کے دل کو سونے کے ایک تھال میں زمزم کے پانی کے ساتھ دھویا اور پھر اس دل کو جسم میں اس کی جگہ پر رکھ [کر زخم کو درست کر] دیا۔ آپؐ کے ساتھ کھیلنے والے بچے [یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئے اور] دوڑتے ہوئے آپ کی رضاعی ماں [یعنی حلیمہ سعدیہؓ] کے پاس آئے اور کہنے لگے محمد ﷺ کو قتل کردیا گیا ہے۔ چنانچہ لوگ بھاگے بھاگے آپؐ کے پاس آئے تو دیکھا کہ [آپ صحیح وسالم تھے لیکن] آپؐ کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ راویِ حدیث حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ''میں آپؐ کے سینہ مبارک میں سلائی کے نشانات کو دیکھا کرتا تھا۔''(۱)

○ یہ آپؐ کے بچپن کا واقعہ ہے۔ نبوت کے بعد معراج کے موقع پر ایسا ہی معاملہ دوبارہ بھی پیش آیا۔ یہی معاملہ کسی اور انسان کے ساتھ پیش آتا تو یقیناً دل نکلنے کے ساتھ ہی وہ مر جاتا مگر آپؐ بچ گئے، اس لیے یہ بھی آپ کا ایک معجزہ اور علامتِ نبوت ہے۔ اس معجزہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ یہ آپ کی مرضی اور خواہش کے بغیر ہی ظاہر ہوا تھا کیونکہ بچپن میں نہ تو آپؐ نے ایسی کوئی خواہش کی تھی اور نہ ہی اس وقت آپ کو یہ خبر تھی کہ آپؐ نبی بننے والے ہیں۔

آپؐ کے دل کو چیر کر جس جمے ہوئے خون کو شیطانی حصہ کہہ کر نکالا گیا، اس سے مقصود یہ تھا کہ زندگی کے کسی بھی معاملہ میں شیطان آپ پر غالب نہ آسکے۔ اسی لیے آپ کہا کرتے تھے کہ میرے ساتھ متعین شیطان میرا تابع ہوگیا ہے اور مجھے کسی غلط بات پر آمادہ نہیں کرتا۔☆

۲)......جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مجھے یاد ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک ایسا پتھر تھا جو میرے نبی بننے سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا اور بلاشبہ

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللّٰہ (ح۱۶۲)]

☆......[اس موضوع کی تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب: انسان اور شیطان]

میں اب بھی اس پتھر کو پہچانتا ہوں۔''[(۱)]

○ جو خدا انسان کو قوتِ گویائی دے سکتا ہے، وہ چاہے تو کسی بے جان کو بھی قوتِ گویائی بخش سکتا ہے......! نبی اکرمؐ نے اس پتھر کے بارے لوگوں کو یہ نہیں بتایا کہ وہ کہاں اور کون سا ہے۔ شاید اس وجہ سے کہ کوئی اس پتھر کو متبرک سمجھ کر اس سے غلط عقائد نہ وابستہ کر بیٹھے۔ صحابہ کرامؓ کی بھی آپؐ نے عقیدۂ توحید پر تربیت کی تھی، اس لیے انہوں نے بھی اس پتھر کے بارے دریافت کرنا ضروری نہ سمجھا۔ حتیٰ کہ حجرِ اسود نامی وہ پتھر جو آسمانوں سے اترا اور بیت اللہ میں قابلِ حیثیت جگہ پا گیا، اس پتھر کے بارے بھی صحابہ یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ: ''نہ تو یہ نفع دے سکتا ہے اور نہ نقصان۔ اگر اللہ کے رسولؐ نے تجھے نہ چوما ہوتا تو ہم بھی تجھے ہرگز نہ چومتے۔'' [یہ بات حضرت عمرؓ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیتے وقت کہی تھی۔ دیکھیے: بخاری، کتاب الحج (ح ۱۶۰۵) مسلم (ح ۱۲۷۰)]

۳)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''کفارِ مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ [اگر آپؐ سچے ہیں تو ہمیں اپنی نبوت کی] کوئی نشانی دکھائیں۔ آپؐ نے انہیں [اپنی انگلی کے اشارے سے] چاند کے دو ٹکڑے کر دکھائے یہاں تک کہ ان کافروں نے حراء پہاڑ کو چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔''[(۲)]

۴)......حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر اور دوسرا اس سے نیچے تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گواہ ہو جاؤ!'' [کہ میں نے تمہیں اپنی نبوت کی نشانی دکھا دی][(۳)]

○ اللہ کے حکم سے نبی اکرمؐ کے ہاتھوں چاند کا دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو جانا جہاں آپ کا معجزہ تھا، وہاں کفار کے لیے آپؐ کے سچے نبی ہونے کی نشانی بھی تھی، مگر افسوس کہ ان لوگوں نے اسے تسلیم کرنے اور آپؐ پر ایمان لے آنے کی بجائے الٹا یہ کہنا شروع کر دیا کہ

''محمدؐ نے ہم پر جادو کر دیا ہے مگر اس کا جادو ساری دنیا کے انسانوں پر نہیں چل سکتا۔''[(٤)]

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضل نسب النبیؐ و تسلیم الحجر علیه (ح۲۲۷٦)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب انشقاق القمر (ح۳٦٦۸) صحیح مسلم، کتاب صفة القیامة، باب انشقاق القمر (ح۲۸۰۲)]

(۳) [صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب و انشق القمر...... (ح٤۸٦٤) صحیح مسلم، ایضاً (ح۲۸۰۰)]

(٤) [مسند احمد (٤/۱۱٦) سنن ترمذی (ح۳۲۸۹) طبری (۱۱/٥٤٥) دلائل النبوة (۲/۲٦۸)]

۵)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''ایک مرتبہ ابوجہل [اپنے ساتھیوں سے] کہنے لگا: کیا محمدؐ تمہارے سامنے اپنا چہرہ مٹی پر لگاتے ہیں؟ [یعنی ہمارے بتوں کی بجائے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں] لوگوں نے کہا، ہاں۔ ابوجہل کہنے لگا: لات اور عزٰی [بت] کی قسم! اگر میں نے محمد کو اس حالت میں دیکھ لیا تو میں اس کی گردن روند ڈالوں گا اور اس کا چہرہ خاک میں ملا دوں گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا کرنے آئے تو ابوجہل آپ کی گردن روند ڈالنے کا ارادہ لے کر آگے بڑھا مگر اچانک ابوجہل الٹے پاؤں پیچھے لوٹ آیا اور وہ اپنے ہاتھوں کے ساتھ خود کو بچا رہا تھا۔ پوچھنے والوں نے پوچھا، کیا ہوا؟ ابوجہل نے جواب دیا، میرے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک آگ کی خندق، ہولناک منظر اور [محافظ فرشتوں کے] پر حائل ہو گئے تھے......!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اگر ابوجہل میرے قریب آتا تو فرشتے تیزی کے ساتھ اسے اچک لیتے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔''(۱)

○ یعنی اللہ کی طرف سے آنحضرت کی معجزانہ طور پر حفاظت فرمائی گئی۔

۶)......حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''ایک دفعہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک آدمی آپؐ کے پاس آیا اور فقر و فاقہ کی شکایت کرنے لگا۔ پھر ایک اور شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے راہزنی [چوری ڈاکہ] کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: اے عدی! کیا تو نے حیرہ شہر دیکھا ہے؟ [پھر خود ہی آپؐ نے فرمایا] ''اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو تم ضرور دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ شہر سے سفر کرے گی یہاں تک کہ وہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے [راستے میں] اللہ کے سوا کسی سے خوف و خطرہ نہیں ہوگا''۔ میں نے دل میں سوچا کہ طی قبیلے کے وہ چور ڈاکو کہاں جائیں گے جنہوں نے ہر سو تہلکہ مچا رکھا ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ''اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ کسریٰ کے خزانے [مسلمانوں کے ہاتھوں] فتح کر لیے جائیں گے''۔ میں نے کہا: واقعی کسریٰ کے خزانے؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں کسریٰ کے خزانے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: ''اگر تمہاری زندگی کچھ اور دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر کے سونا یا چاندی لے کر نکلے گا اور تلاش کرتا پھرے گا کہ کون اس کا مستحق ہے مگر اسے کوئی ایسا شخص نہیں ملے گا جو اس

(۱) [صحیح مسلم، کتاب صفة المنافقین، باب قوله: ان الانسان لیطغیٰ......(ح۲۷۹۷)]

[خیرات] کو قبول کرے اور یقیناً تم میں سے ہر شخص کی روزِ قیامت اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی، اس روز اللہ اور اس بندے کے درمیان ترجمانی کرنے والا کوئی ترجمان نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ [خود ہی بندے سے] دریافت فرمائیں گے کہ کیا میں نے تیری جانب پیغمبر نہیں بھیجا تھا جس نے تجھ تک دین کے احکام پہنچائے؟ وہ جواب دے گا: ہاں ضرور بھیجا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھیں گے، کیا میں نے تجھے مال و دولت عطا نہیں کیا تھا اور کیا تجھ پر اپنا فضل و احسان نہیں کیا تھا؟ وہ جواب دے گا: ہاں، کیا تھا۔ پھر وہ شخص اپنی دائیں جانب نظر دوڑائے گا تو اسے سوائے جہنم کے کچھ دکھائی نہیں دے گا اور بائیں جانب نظر دوڑائے گا تو ادھر بھی اسے سوائے جہنم کے کچھ نظر نہ آئے گا۔''(۱)

○ اس حدیث میں نبی اکرمؐ نے تین پیش گوئیاں فرمائی تھیں جو حرف بہ حرف پوری ہوئیں جیسا کہ اسی حدیث کے راوی حضرت عدیؓ بیان کرتے ہیں کہ

''میں نے دیکھا کہ اونٹنی پر سوار تنہا عورت حیرہ شہر سے چلتی اور کعبہ کا طواف کرتی ہے اور اسے اللہ کے سوا کسی [چور ڈاکو] کا کوئی ڈر نہیں ہوتا اور میں اُن لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانوں کو فتح کیا تھا اور اگر تمہاری زندگیاں طویل ہوئیں تو تم ابوالقاسم [نبی صلی اللہ علیہ وسلم] کی تیسری پیش گوئی کو بھی پورا ہوتے ہوئے دیکھو گے کہ ایک شخص ہاتھ میں سونا چاندی بھر کر نکلے گا اور اسے لینے والا کوئی [فقیر و مفلس] نہیں ملے گا۔'' [تاریخ گواہ ہے کہ یہ پیش گوئی بھی پوری ہوئی] (۲)

۷)..... حضرت خباب بن اَرت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں اپنی چادر کا تکیہ بنائے لیٹے تھے کہ ہم نے آپؐ سے [فقر و فاقہ اور کفار کی اذیتوں کی] شکایت کرتے ہوئے کہا: آپؐ [ہمارے لیے مشرکین کے خلاف] اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کیوں نہیں فرماتے؟ یہ بات سن کر آپؐ اٹھ بیٹھے اور آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ آپؐ نے فرمایا: تم سے پہلے جو مسلمان ہو گزرے، ان کے ساتھ اتنا ظلم کیا گیا کہ آدمی کو زمین میں گڑھا کھود کر اس میں گاڑا جاتا اور پھر آرا لایا جاتا، اور اسے اس کے سر پر رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے۔ اسی طرح لوہے کی کنگھیاں ایک مسلمان کے جسم پر پھیری جاتیں جو اس کے گوشت اور ہڈیوں تک کو چھیل دیتیں لیکن یہ سخت ترین عذاب بھی اسے دین سے پھرنے نہیں دیتا تھا۔ [پھر آپؐ نے فرمایا:] اللہ کی

(۱) [صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام (ح۳٦٦٨)] (۲) [ایضاً]

قسم !اس دین کوغلبہ حاصل ہوگا یہاں تک کہ ایک سوار شخص صنعاء شہر سے حضر موت شہر تک کا سفر کرے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے خوف نہیں ہوگا لیکن تم جلد بازی کرتے ہو۔'' [آپ اپنے صحابہ سے کہ کہنا چاہتے تھے کہ تم صبر کرو، اللہ تمہاری پریشانیاں ضرور دور کرے گا] (۱)

○ اس حدیث میں بھی آپ نے جو پیش گوئی فرمائی تھی، وہ من وعن پوری ہوئی۔

۸)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ام حرامؓ بنت ملحان [جو آپ کی رضاعی خالہ تھیں] کے ہاں تشریف لے جاتے اور یہ عبادہ بن صامتؓ کی بیوی تھیں۔ آپ ایک دن ان کے ہاں تشریف لائے، انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا۔ اس کے بعد وہ آپ کے سر سے جوئیں دیکھنے بیٹھ گئیں جبکہ آپ کو نیند آ گئی۔ پھر اچانک آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوگئے۔ ام حرام کہتی ہیں میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ مسکرا کیوں رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میری امت کے کچھ لوگ مجھے [خواب میں] دکھائے گئے جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلے ہوئے تھے، اور وہ سمندر میں اس طرح محو سفر تھے جیسے بادشاہ اپنے شاہی تخت پر براجمان ہوتے ہیں۔'' میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کردے۔ آپ نے ام حرامؓ کے لیے دعا فرمائی۔ پھر آپ نے سر جھکایا اور محوِ خواب ہوگئے، پھر آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! اب آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا: میری امت کے کچھ لوگ [خواب میں] مجھے دکھائے گئے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کررہے تھے جیسا کہ آپ نے پہلی مرتبہ فرمایا تھا۔ میں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کرلے۔ آپ نے فرمایا: تم پہلے لوگوں میں شامل ہو۔'' (۲)

اس حدیث میں بھی اللہ کے رسولؐ نے جو پیش گوئی فرمائی تھی، وہ پوری ہوئی چنانچہ آپ کے بعد آپ کے صحابہؓ نے جہاد کے لیے سمندری سفر بھی کیا اور ایسے ہی ایک سمندری سفر میں ام حرامؓ نے بھی شرکت کی۔ (۳)

---

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الاکراہ، باب من اختار الضرب والقتل والهوان علی الکفر (ح ۶۹۴۳۔۳۸۵۲)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب من زار قوما فقال عندهم (ح ۶۲۸۲، ۶۲۸۳) صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضل الغزو فی البحر (ح ۱۹۱۲) بحواله مشکوٰة، کتاب الفضائل (ح ۵۸۵۹)] (۳) [ایضاً]

۹)..... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"ضِمَادُ نامی ایک شخص جس کا تعلق اَزْدِشَنُوءَۃ قبیلہ سے تھا اور وہ جادو، جنات اور آسیب وغیرہ اتارنے کے لیے دم کیا کرتا تھا، جب مکہ مکرمہ آیا اور اس نے مکہ کے جاہل لوگوں کو حضورؐ کے بارے یہ کہتے سنا کہ محمدؐ دیوانہ ہو گیا ہے [نعوذ باللہ] تو ضِمَادُ نے کہا: اگر میں اس انسان کو دیکھ لوں تو شاید اللہ اسے میرے ہاتھوں شفاء عطا کر دے۔ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر وہ آپؐ سے ملا اور کہنے لگا کہ میں جادو، آسیب اور جن وغیرہ اتارنے کے لیے دم کرتا ہوں اور اللہ میرے ہاتھوں جسے چاہتا ہے، شفا دے دیتا ہے، اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کا بھی علاج کر دوں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، ہم اس کی حمد بیان کرتے اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں، جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ سیدھے راستے سے ہٹا دے، اسے کوئی سیدھے راستے پر نہیں لا سکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد...... [ابھی آپ آگے کچھ کہنا چاہتے تھے کہ] ضِمَاد کہنے لگا، آپؐ دوبارہ ان کلمات کو میرے سامنے ارشاد فرمائیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے انہی کلمات کو تین بار دہرایا۔ پھر اس نے کہا: "بے شک میں نے بڑے بڑے کاہنوں، جادوگروں اور شاعروں کے کلام کو سنا ہے لیکن آج تک ایسا کلام نہیں سنا جیسا آپؐ نے پیش کیا ہے۔ یقیناً آپ کا کلام تو فصاحت و بلاغت کا سمندر ہے۔ آپؐ اپنا ہاتھ بڑھایئے، میں اسلام پر آپ کی بیعت کرتا ہوں۔" ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے اس سے بیعت لی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ آپؐ نے اس سے کہا: تیری قوم کو بھی اسلام قبول کر لینا چاہیے۔ اس نے کہا: ہاں، میری قوم بھی اسلام میں داخل ہو جائے گی۔"[1]

○ جس طرح ہیرے موتی کی قدر ایک جوہری ہی پہچانتا ہے اسی طرح کلام کی خوبیاں کوئی ماہر ادیب یا ان کی مجلس میں اٹھنے بیٹھنے والا ہی جانتا ہے۔ ضماد ایسا ہی ایک شخص تھا چنانچہ جب اس نے آپ کا معجزانہ کلام سنا تو فوراً آپ کا گرویدہ ہو گیا اور پہچان گیا کہ آپ سچے ہیں جبکہ لوگ آپؐ کے بارے میں غلط بیانی

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة والخطبة (ح۸٦۸)]

کررہے ہیں۔ پھر وہ جادو جنات کے توڑ کا ماہر بھی تھا، اس لیے آپؐ سے ایک ہی ملاقات میں اس نے کفارِ مکہ کی آپؐ کے بارے پھیلائی اس غلط فہمی پر بھی یقین نہ کیا کہ آپؐ معاذ اللہ مجنوں، دیوانے یا مخبوط الحواس ہوگئے ہیں۔

۱۰)......حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''جب ہم غارِ ثور میں تھے تو میں نے مشرکوں کے پاؤں دیکھے گویا کہ وہ ہمارے سروں کے پاس ہیں تو میں نے [پریشان ہوکر] عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! اگر ان میں سے کوئی شخص اپنے پاؤں کی طرف دیکھ لے تو وہ ہمیں بھی دیکھ لے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکرؓ! ان دو انسانوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے؟''[۱]

○ یہ بھی آنحضرتؐ کا معجزہ تھا کہ ہجرت کے موقع پر کفارِ مکہ اس غار کے دھانے تک جا پہنچے جس میں آپؐ اور آپ کے ساتھی حضرت ابوبکرؓ چھپے ہوئے تھے مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ وہ انتہائی قریب ہونے کے باوجود آپ کو دیکھ نہ سکے۔

۱۱)......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرتِ مدینہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

''ہم رات بھر اور دن کا کچھ حصہ چلتے رہے یہاں تک کہ دوپہر کا وقت ہوگیا اور راستہ اتنا سنسان تھا کہ وہاں کسی کی کوئی آمدورفت نہ تھی۔ ہمیں ایک اونچی سایہ دار چٹان دکھائی دی جہاں دھوپ نہیں پڑی تھی۔ ہم اس کے پاس اترے اور میں نے اپنے ہاتھ کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کچھ جگہ ہموار کی اور وہاں چمڑے کا ٹکڑا بچھا دیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام کرسکیں۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ اس پر آرام فرمائیں اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے پہرہ دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم محوِخواب ہوگئے......ابوبکر صدیقؓ بیان کرتے ہیں کہ پھر ہم سورج ڈھلنے کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے تو ہمارے تعاقب میں سُرَاقَہ بن مالک وہاں آپہنچا۔ میں نے کہا، اللہ کے رسولؐ! لگتا ہے ہم پکڑے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بددعا کی تو اس کے گھوڑے کی ٹانگیں اس کے پیٹ تک زمین میں دھنس گئیں۔ سُرَاقہ نے یہ

(۱) [صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبیؐ، باب فضائل اصحاب النبیؐ (ح۳۶۵۳) صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل ابی بکر (ح۲۳۸۱) بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح (ح۵۸٦۸)]

دیکھا تو کہنے لگا: تمہاری بددعا کی وجہ سے ایسا ہوا ہے، اب تم ہی میری نجات کے لیے دعا کرو، میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں [واپس چلا جاؤں گا اور] اِدھر کا رخ کرنے والوں کو بھی اِدھر نہیں آنے دوں گا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے لیے دعا کی تو اسے نجات ملی، چنانچہ وہ [واپس ہو گیا اور راستے میں] جس شخص کو بھی ملتا اسے کہتا کہ تم اس کی تلاش کے لیے اس راستے سے بے پروا ہو جاؤ، اِدھر کوئی نہیں گیا۔ گویا اس طرح وہ جس شخص کو بھی ملتا، اسے واپس لوٹا دیتا۔''[1]

○ سُراقہ کا خلافِ توقع گھوڑے سمیت پتھریلی زمین میں دھنس جانا آپ کی معجزانہ دعا ہی کا نتیجہ تھا پھر دعا ہی کی بدولت سُراقہ کی جان بخشی ہوئی۔ چنانچہ سُراقہ سمجھ گیا کہ آپ کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ واقعی خدا کے پیغمبر ہیں۔ دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معجزانہ واقعہ کے بعد وہ مسلمان ہو گیا تھا۔

۱۲)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''عبداللہ بن سلام نے جب رسول اللہ کے بارے یہ سنا کہ آپ ﷺ مدینہ تشریف لے آئے ہیں تو اس وقت وہ [اپنے باغ کی] گوڈی کر رہا تھا چنانچہ وہ فوراً آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آ کر کہنے لگا: میں آپ ﷺ سے تین باتوں کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں جن کو نبی کے علاوہ کوئی نہیں جان سکتا۔ بتائیے! قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ اور اہل جنت سب سے پہلے کون سا کھانا تناول کریں گے؟ اور بچہ اپنے باپ یا ماں کی صورت سے کب مشابہت اختیار کرتا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابھی ابھی جبریلؑ نے مجھے ان باتوں کے بارے میں بتایا ہے...... [لہٰذا سنو] قیامت [شروع ہونے] کی پہلی علامت ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی جانب دھکیلے گی اور اہلِ جنت کی سب سے پہلے مچھلی کے جگر کے بڑھے ہوئے حصہ کے ساتھ تواضع کی جائے گی۔ اور جب آدمی کا نطفہ عورت کے نطفہ پر غالب آ جائے تو بچہ باپ کی شکل پر ہوتا ہے اور اگر عورت کا نطفہ مرد کے نطفہ پر غالب آ جائے تو بچہ ماں کی شکل پر ہوتا ہے۔''

[یہ جواب سن کر] عبداللہ بن سلام نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی معبودِ برحق ہے اور یقیناً آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔ اے اللہ کے رسول! یہودی بڑے جھوٹے اور بہتان باز ہیں، اگر انہیں میرے مسلمان ہونے کا علم ہو گیا اور پھر آپؐ نے ان سے میرے متعلق دریافت کیا تو وہ مجھ پر

(۱) [صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام (ح ۳۶۱۵)]

الزام لگائیں گے۔ چنانچہ یہودی آئے [جبکہ عبداللہ بن سلام چھپ گئے] تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا عبداللہ بن سلام تم میں کیسا شخص ہے؟ انہوں نے کہا وہ ہم میں سے بہترین شخص ہے اور بہترین شخص کا بیٹا ہے، وہ ہمارا سردار ہے اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے کہا: اگر عبداللہ بن سلام مسلمان ہو جائے تو؟ وہ کہنے لگے: اللہ اس کو مسلمان ہونے سے محفوظ رکھے۔ ادھر عبداللہ بن سلام باہر نکل آئے اور ان کی زبان سے کلمۂ توحید بلند ہو رہا تھا کہ: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' [یہ صورتحال دیکھ کر وہی] یہودی فوراً کہنے لگے کہ عبداللہ بن سلام تو ہم میں سے بدترین آدمی ہے، اس کا باپ بھی بدترین ہے۔ یعنی عبداللہ کی عیب جوئی کرنے لگے۔ پھر عبداللہ بن سلام نے کہا: اللہ کے رسول! یہی وہ بات تھی جس سے میں ڈر رہا تھا۔''(۱)

○ یہ حدیث بھی آپؐ کے معجزات اور علاماتِ نبوت کی وضاحت کرتی ہے۔ عبداللہ بن سلام جیسا سلیم الفطرت یہودی تو آپ سے چند سوالات کرنے کے بعد فوراً پہچان گیا کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا مگر باقی یہودی تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے آپؐ پر ایمان نہ لائے۔ عبداللہ بن سلام نے آپؐ سے جو سوال کیے، وہ غیبی امور کے بارے میں تھے۔ نبیؐ کے علاوہ کوئی شخص غیبی امور کے بارے نہیں جانتا۔ اور نبی کو چونکہ وحی کے ذریعے غیب کی بعض باتیں بتادی جاتی ہیں، اس لیے آپؐ نے عبداللہ کے سوالات کے جواب دینے سے پہلے واضح فرمادیا کہ ''ابھی ابھی جبریل نے آکر مجھے ان سوالوں کے جوابات سے آگاہ کردیا ہے۔''

۱۳)...... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''نبی اکرم ﷺ نے جنگِ بدر کے دن اپنے خیمے میں [اللہ کے حضور] یہ دعا مانگی: ''اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد و میثاق کا واسطہ دیتا ہوں، اے اللہ! کیا تو چاہتا ہے کہ آج کے دن کے بعد تیری عبادت نہ ہو۔'' [یعنی آپ ﷺ بڑی آہ و گریہ زاری کے ساتھ دعا فرما رہے تھے] تو ابوبکرؓ نے آپ ﷺ کے ہاتھوں کو پکڑ کر کہا: اے اللہ کے رسول! اب بس کیجیے کیونکہ آپؐ نے بڑا گڑگڑا کر اپنے رب کے حضور دعا کی ہے۔ پھر آپ ﷺ [خیمے سے] باہر آئے اور آپؐ فرما رہے تھے: ''عنقریب کفار کا گروہ شکست سے دوچار ہوگا اور وہ پیٹھ پھیر لیں گے۔''(۲)

۱) [صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب من کان عدو الجبریل (ح ٤٤٨٠)]
۲) [صحیح بخاری، ایضاً، باب قوله: بل الساعة موعدهم...... (ح٤٨٧٧)]

○ یعنی اللہ کے حضور دعا کرنے کے بعد آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوگیا کہ اس جنگ میں کفار کو شکست ہوگی، چنانچہ آپؐ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی کفار کی شکست کی پیش گوئی فرمادی جو پوری ہوئی۔

۱۴)......حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے [بدر کے موقع پر جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی پیش گوئی کرتے ہوئے یہ] فرمادیا کہ اِس جگہ فلاں اور اُس جگہ فلاں شخص ہلاک ہوگا حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نشاندہی کرتے ہوئے زمین پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ کر بتایا کہ یہاں اور یہاں فلاں فلاں ہلاک ہوں گے۔ چنانچہ ان میں سے کوئی شخص بھی اس جگہ سے دور ہوکر نہ مرا تھا جہاں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ رکھا تھا۔''[1]

○ دراصل بذریعہ وحی آپ کو ان کفار کے مرنے کی جگہ کے بارے میں بتادیا گیا تھا، اس لیے آپ کی یہ پیش گوئی بھی درست ثابت ہوئی۔

۱۵)......حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عتیک کی زیرِ قیادت چند صحابہ کو ابورافع [یہودی] کے قتل کے لیے بھیجا چنانچہ عبداللہ بن عتیک رات کے وقت اس کے گھر میں داخل ہوئے، ابو رافع اس وقت سو رہا تھا۔ عبداللہ بن عتیکؓ نے اسے قتل کردیا۔ عبداللہ بن عتیکؓ کہتے ہیں کہ میں نے اس کے پیٹ میں تلوار گھونپ دی یہاں تک کہ وہ تلوار اس کی کمر کی ہڈی پار کرگئی، پھر میں نے [واپسی کے لیے] دروازے کھولنے شروع کیے یہاں تک کہ میں سیڑھی کے قریب پہنچ گیا، میں نے نیچے اترنے کے لیے اپنا پاؤں رکھا تو میں سیڑھی سے گر گیا جس سے میری پنڈلی [کی ہڈی] ٹوٹ گئی۔ میں نے اسے پگڑی کے کپڑے کے ساتھ مضبوطی سے باندھا اور اپنے ان ساتھیوں کی جانب چل دیا جو قلعے کے نیچے کھڑے تھے پھر میں ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا پاؤں پھیلاؤ۔ میں نے اپنا پاؤں پھیلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ہاتھ پھیرا، مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری پنڈلی میں کبھی تکلیف ہی نہ ہوئی تھی۔''[2]

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة بدر (ح۱۷۷۹)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب الجهاد، باب قتل المشرك (ح۳۰۲۲) کتاب المغازی: باب قتل ابی رافع (ح۴۰۳۹) فتح الباری (۷/۲۴۰ تا ۲۳۷) سیرت ابن هشام (ج۳ص۳۸۰)]

○ ابو رافع بنو نضیر نامی یہودی قبیلے کا رئیس تھا اور مسلمانوں کے خلاف پسِ پردہ سازشیں کیا کرتا تھا۔ جنگ احزاب کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف مشرکینِ مکہ کی مدد کرنے سے کسی طرح پیچھے نہ رہا حالانکہ اس کے قبیلے نے آپؐ سے صلح کا معاہدہ کر رکھا تھا مگر اس نے خیانت کرتے ہوئے مشرکین مکہ کو ہر طرح کا تعاون بہم پہنچایا۔ اس کے علاوہ بھی اس کے کئی ایسے جرائم تھے جن کے پیش نظر اللہ کے رسولؐ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ یہاں آپؐ کا معجزہ یہ ہے کہ آپؐ نے حضرت عبداللہ بن عتیک کی ٹوٹی ہوئی ہڈی پر ہاتھ پھیرا تو وہ اللہ کے حکم سے ٹھیک ہوگئی۔

۱۶)..... حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''جنگِ خندق کے موقع پر ہم کھدائی کر رہے تھے کہ ایک مضبوط چٹان آ گئی۔ صحابہ کرامؓ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایک مضبوط چٹان سامنے آ گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں آتا ہوں چنانچہ آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کے پیٹ مبارک پر [بھوک کی شدت کی وجہ سے] ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ ہم نے تین روز سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ نبی ﷺ نے کدال پکڑ کر اس پر ماری تو وہ چٹان ریت کا ڈھیر بن گئی۔ میں نبی اکرمؐ سے اجازت لے کر گھر گیا اور اپنی بیوی سے کہا: نبی ﷺ شدید بھوک سے دوچار ہیں، کیا تیرے پاس کھانے کے لیے کچھ ہے؟ اس نے کہا کچھ جو اور بھیڑ کا ایک چھوٹا سا بچہ ہے۔ میں نے اسے ذبح کیا اور میری بیوی نے جو پیس لیے۔ ہم نے گوشت کو پکنے کے لیے ہنڈیا میں ڈال دیا۔ پھر میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے [راز داری سے عرض کیا] اے اللہ کے رسول! ہم نے تھوڑا سا کھانا پکایا ہے۔ آپ اپنے چند رفقاء کے ساتھ تشریف لائیں۔ آپ نے پوچھا کتنا کھانا پکایا ہے؟ میں نے بتایا تو میری بات سن کر آپؐ نے کہا یہ تو بہت ہے اور عمدہ ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بلند آواز کے ساتھ تمام صحابہ سے فرمایا: خندق کھودنے والو! جابرؓ نے تم سب کی دعوت کی ہے، چلو۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ جب تک میں نہ آ جاؤں ہنڈیا کو چولہے سے نہ اتارنا اور نہ ہی آٹے کی روٹیاں بنانا۔ پھر آپ ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں آٹا پیش کر دیا آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی۔ پھر آپؐ ہنڈیا کی جانب آئے اور اس میں بھی اپنا لعاب مبارک ڈالا اور برکت کی دعا کی۔ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: روٹی پکانے والی کو بلاؤ کہ وہ تمہارے ساتھ روٹیاں پکائے اور ہنڈیا

سے سالن نکالتے رہو، مگر اسے چولہے سے مت اتارنا۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ وہ ایک ہزار افراد تھے اور میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ ان سب نے سیر ہو کر کھایا، حتیٰ کہ وہ کھانا بچا کر واپس ہوئے جبکہ ہماری ہنڈیا اسی طرح بھری ہوئی تھی جیسے پہلے تھی اور جس آٹے سے پکایا جا رہا تھا، وہ بھی اسی طرح تھا۔''(۱)

۱۷)......حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''حدیبیہ کے دن لوگوں کو سخت پیاس لگی ہوئی تھی، ادھر رسول اللہ ﷺ کے پاس وضو کے پانی والا ایک برتن تھا جس سے آپ ﷺ وضو فرما رہے تھے۔ صحابہ کرامؓ آپ کے پاس آئے تو آپؐ نے ان سے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہمارے پاس وضو کرنے اور پیاس بجھانے کے لیے اتنا بھی پانی نہیں ہے جتنا اس وقت آپؐ کے اس برتن میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنا ہاتھ اس برتن میں رکھا تو آپ کی انگلیوں سے اس طرح پانی جوش مارنے لگا جس طرح کوئی چشمہ پھوٹا ہو۔ چنانچہ ہم سب نے اس برتن سے پانی بھی پیا اور وضو بھی کیا۔ جابرؓ سے دریافت کیا گیا کہ اس روز آپ کتنے لوگ تھے؟ انہوں نے بتایا کہ ہم پندرہ سو کی تعداد میں تھے اور اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہوتا......!!''(۲)

۱۸)......حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''حدیبیہ کے روز ہم چودہ سو آدمی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ حدیبیہ دراصل ایک کنویں کا نام ہے، ہم نے حدیبیہ کنوئیں سے پانی نکالا حتیٰ کہ اس میں ایک قطرہ بھی باقی نہ چھوڑا۔ جب نبی ﷺ کو خبر ملی تو آپ آئے اور اس کنوئیں کے کنارے بیٹھ کر فرمایا کہ پانی والا کوئی برتن لاؤ۔ برتن لایا گیا تو آپؐ نے اس برتن میں وضو کیا پھر کلی کی اور دعا مانگی اور پھر اس برتن والے پانی کو حدیبیہ کنوئیں میں ڈال دیا۔ پھر کچھ دیر ہم نے انتظار کیا اور اس کے بعد خود کو اور اپنی سواری کے جانوروں کو بھی خوب سیراب کیا۔''(۳)

۱۹)......حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں جا رہے تھے کہ ایک وسیع وادی میں ہم نے پڑاؤ کیا۔ رسول اللہ

(۱) [صحيح بخاری، كتاب المغازی، باب غزوة الخندق (ح۴۱۰۲۔۴۱۰۱) صحيح مسلم، كتاب الاشربة (ح۲۰۳۹) بحواله مشكوٰة المصابيح (ح۵۸۷۷)]

(۲) [صحيح بخاری، كتاب المغازی، باب غزوة الحديبية (ح۴۱۵۲) صحيح مسلم، كتاب الامارة (ح۱۸۵۶)]

(۳) [صحيح بخاری، كتاب المغازی، باب غزوة الحديبية (ح۴۱۵۰)]

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضاءِ حاجت کے لیے نکلے، تو میں بھی آپ کے لیے پانی کا برتن پکڑ کر پیچھے چل دیا۔ آپ کو پردہ کے لیے کوئی چیز نظر نہ آئی البتہ وادی کے کنارے پر دو درخت تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں سے ایک کی طرف گئے اور اس کی ایک شاخ کو پکڑ کر کہا تو اللہ کے حکم کے ساتھ مجھ پر پردہ کر۔ وہ آپؐ کے حکم کی اس طرح تابعدار ہوگئی جس طرح نکیل والا اونٹ اپنی مہار پکڑنے والے کا تابعدار ہوجاتا ہے۔ پھر آپؐ دوسرے درخت کے پاس گئے اور اس کی بھی ایک شاخ کو پکڑ کر کہا کہ تو اللہ کے حکم کے ساتھ مجھ پر پردہ کر۔ وہ بھی آپؐ کے حکم کی اسی طرح تابعدار ہوگئی۔ جب آپ ان دونوں درختوں کے درمیان پہنچ گئے تو ان شاخوں کو جوڑ کر آپؐ نے فرمایا: اللہ کے حکم کے ساتھ میرے اوپر جھک جاؤ چنانچہ وہ دونوں آپؐ کے اوپر جھک گئیں...... جابرؓ کہتے ہیں کہ میں دور جا بیٹھا اور اپنے آپ سے باتیں کرنے لگا پھر اچانک میرا دھیان آپؐ کی جانب ہوا تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں اور وہ دونوں درخت الگ الگ ہوگئے ہیں اور ان میں سے ہر درخت اپنے تنے پر کھڑا تھا۔"(۱)

۲۰)...... یزید بن ابی عبیدؒ بیان کرتے ہیں کہ

"میں نے سلمہ بن اکوع صحابیؓ کی پنڈلی میں تلوار کے ایک زخم کا نشان دیکھا تو میں نے کہا، اے ابوسلمہ! یہ نشان کیسا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ جنگ خیبر کے دن مجھے تلوار کا یہ زخم لگا تھا۔ لوگ تو کہتے تھے کہ سلمہ مر جائے گا لیکن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ نے اس زخم پر [دم کر کے] تین بار تھوک پھینکا، اس کے بعد سے آج تک مجھے اس کی تکلیف کا احساس ہی کبھی نہیں ہوا۔"(۲)

۲۱)...... حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو کھجور کے اس تنے کے ساتھ ٹیک لگاتے تھے جو مسجد نبوی کا ایک ستون تھا۔ جب آپؐ کے لیے منبر بنایا گیا اور آپؐ اس پر تشریف فرما ہوئے تو کھجور کا وہ تنا اس طرح بلکنے لگا کہ قریب تھا کہ وہ پھٹ جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر سے اترے اور اسے پکڑ کر اپنے گلے لگایا تو وہ اس بچے کی طرح ہچکیاں لے کر رونے لگا جسے خاموش کرایا جا رہا ہو، بالآخر وہ پرسکون ہوگیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ اس لیے رو رہا تھا کہ اب یہ اس ذکر الٰہی کے سننے سے محروم ہوگیا ہے جو پہلے

---

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الزھد، باب حدیث جابر الطویل (ح ۳۰۱۲)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر (ح ۴۲۰۶)]

[میرے ٹیک لگانے سے یہ مجھ سے] سنا کرتا تھا۔"(۱)

۲۲)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

"میری والدہ مشرکہ تھیں اور میں انہیں اسلام کی دعوت دیا کرتا تھا۔ ایک روز میں نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی مگر انہوں نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے ناپسندیدہ کلمات کہے۔ میں روتا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، اللہ کے رسول! "میری والدہ مشرکہ تھیں اور میں انہیں اسلام کی دعوت دیا کرتا تھا۔ آج جب میں نے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے مجھے آپؐ کے بارے ناپسندیدہ کلمات کہے ہیں۔ آپؐ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت فرمائے۔ آپؐ نے دعا کی اے اللہ! ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت فرما۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا فرمانے کے سبب میں خوشی خوشی واپس لوٹا، جب میں دروازے پر پہنچا تو دروازہ بند تھا۔ میری والدہ نے میرے پاؤں کی آہٹ سنی تو مجھ سے کہا، ابو ہریرہ! ذرا ٹھہر جا۔ مجھے اندر سے پانی گرنے کی آواز سنائی دی۔ میری والدہ نے غسل کیا، کپڑے پہنے اور جلدی میں اپنا دوپٹہ لینا بھول گئیں اور دروازہ کھولنے کے بعد کہا: "ابو ہریرہ! میں اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں ہے اور میں یہ بھی گواہی دیتی ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔" چنانچہ میں خوشی سے روتا ہوا رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اللہ کے رسولؐ! خوش ہو جایئے، اللہ نے آپ کی دعا قبول فرما کر میری والدہ کو ہدایت سے نواز دیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اللہ کے شکر اور حمد و ثنا کے کلمات کہے اور فرمایا بہت بہتر ہو گیا ہے۔"(۲)



(۱) [صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب النجار (ح ۲۰۹۵) بحوالہ مشکوٰۃ (ح ۵۹۰۳)]

(۲) [صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل ابی هریرةؓ (ح ۲۴۹۱)]

بَابُ دوُم:

نبی کریم ﷺ سے محبت

[1]......آپ ﷺ سے محبت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے!

[2]......آپ ﷺ سے کتنی محبت کی جائے؟

[3]......آپ ﷺ سے محبت کیوں کی جائے؟

[4]......آپ ﷺ سے اظہارِ محبت کا طریقہ کیا ہے؟

[5]......آپ ﷺ سے محبت کے تقاضے اور علامتیں کیا ہیں؟

[6]......آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا

[7]......آپ ﷺ کی محبوب چیزوں سے محبت اور مبغوض سے نفرت

[8]......آپ ﷺ کی سنت کی نصرت ومحافظت

[9]......آپ ﷺ کی اَزواج اور آل سے محبت

[10].....آپ ﷺ کے جانثار اور وفادار صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت

[11]......آپ ﷺ کے دشمنوں سے نفرت

[12]......آپ ﷺ سے عقیدت واحترام

[13]......گستاخِ رسول کون؟

* * * *

[1]......نبی کریم ﷺ سے محبت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

آپ ﷺ سے محبت کرنا ہر بندۂ مومن کے ایمان کی لازمی شرط ہے۔ دنیا میں ہر انسان طبعی طور پر مختلف چیزوں سے محبت کرتا ہے مثلاً مال ودولت سے محبت، بیوی بچوں سے محبت، گھربار سے محبت، دوست اَحباب سے محبت، عزیز واَقارب سے محبت......، یہ محبت فطری طور پر ہر انسان کے دل میں رکھی گئی ہے اس لیے اس محبت سے اللہ تعالیٰ نے منع نہیں کیا بشرطیکہ یہ محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت پر غالب نہ آجائے کیونکہ اصل چیز یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے محبت کرے اور باقی ہر چیز کی محبت کو اللہ کی محبت کے تابع کردے۔ اس سلسلہ میں قرآن وحدیث سے چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

۱)......﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾[سورة التوبة:٢٤]

''(اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بچے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبے قبیلے اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور وہ تجارت جس کی کمی سے تم ڈرتے ہو اور وہ کوٹھیاں جنہیں تم پسند کرتے ہو، اگر یہ سب چیزیں تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو تم اللہ کے حکم سے آنے والے عذاب کا انتظار کرو۔ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

((وفي الآية دليل على وجوب حب الله ورسوله ولا خلاف في ذلك بين الامة وان ذلك مقدم على كل محبوب))(١)

''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت فرض ہے اور اس بات

(١) [تفسیر قرطبی (ج٨ص٨٨)]

پر امت مسلمہ میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کی محبت ہر دوسری محبوب چیز پر مقدم ہے۔''

۲)......﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾[سورة الاحزاب:٦]

''بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لیے اُن کی اپنی ذات پر مقدم ہے، اور نبی کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے قریبی تعلق دار کو ہمیشہ ترجیح دیتا اور اس کا خیر خواہ بن کر رہتا ہے لیکن جہاں اس کے ذاتی مفاد کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو، وہاں وہ دوسروں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی ذات ہی کو ترجیح دیتا ہے خواہ اس میں دوسرے کا دنیوی یا اُخروی اعتبار سے کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو، بلکہ بعض اوقات تو ایک انسان خیر خواہی کے جذبے کے باوجود دوسرے کا نقصان کر بیٹھتا ہے مگر اللہ کے رسول کا معاملہ ایسا نہیں کیونکہ آپؐ ہر مومن کے لیے اس کے ماں باپ، بہن بھائی، عزیز و اقارب حتیٰ کہ اس کی اپنی ذات سے بھی بڑھ کر خیر خواہ ہیں اور آپ کی خیر خواہی حق پر مبنی ہے۔ آپ کسی شخص سے کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکتے جس میں اس کا نقصان ہو اور اس کی عاقبت خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔ جہاں حضورؐ کا ہمارے ساتھ یہ تعلق ہے وہاں ہمیں بھی یہ حکم دیا گیا کہ ہمارے نزدیک حضورؐ ہی کی ذاتِ مبارک سب سے اولیٰ ہونی چاہیے۔

یہ بات تو طے ہے کہ انسان سب سے زیادہ اپنی ذات ہی کے ساتھ مخلص ہوتا ہے مگر اتنا مخلص ہونے کے باوجود ایک انسان اپنا نقصان کر سکتا ہے اور غلط راہ اختیار کر کے اپنے آپ کو جہنم میں دھکیل سکتا ہے، کیونکہ نبویؐ ہدایت کے بغیر کوئی انسان ہرگز یہ نہیں جان سکتا کہ اس کے لیے خیر و بھلائی کیا ہے اور شر کیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کو وہ اپنے لیے بہتر سمجھتا ہو مگر وہی چیز اس کے لیے انتہائی مضر ہو اور ایک چیز جسے وہ مضر سمجھتا ہے وہ اس کے لیے نہایت مفید ہو۔ کون سی چیز ہمارے حق میں بہتر اور کون سی بہتر نہیں، اس کی خبر ہمیں اس دین سے ملتی ہے جو آنحضرت ﷺ لے کر آئے ہیں، اور آپؐ ہمارے لیے اتنے مشفق و مہربان ہیں کہ ہمارے حق میں آپؐ صرف وہی بات کہتے ہیں جس میں ہمارا حقیقی فائدہ پنہاں ہو۔ لہذا جب آپؐ ہی ہمارے حقیقی خیر خواہ ہیں تو پھر اس بات کا حق بھی آپؐ ہی رکھتے ہیں کہ ہم اپنی جان سے بھی بڑھ کر آپ کو عزیز سمجھیں اور دنیا جہان کی ہر چیز سے بڑھ کر آپؐ سے محبت کریں۔

۳)......((عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ يَّكْرَهَ اَنْ يَّعُوْدَ

فِی الْکُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَہُ اللّٰہُ مِنْہُ کَمَا یَکْرَہُ اَنْ یُّقْذَفَ فِی النَّارِ))[۱]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ جمع ہو جائیں وہ ایمان کی مٹھاس اور لذت پالیتا ہے۔(۱) پہلی یہ کہ اللہ اور اس کا رسولؐ اس کے نزدیک دنیا جہان کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو جائیں۔(۲) دوسری یہ کہ وہ جس کسی سے محبت کرے، اللہ ہی کے لیے کرے۔(۳) تیسری یہ کہ جب اللہ نے اسے کفر سے نجات دے دی تو اب وہ کفر میں لوٹ جانا اتنا ہی ناپسند کرے جتنا کہ آگ میں ڈالا جانا اسے ناپسند ہے۔''

[2]......نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنی محبت کی جائے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا جہاں کی ہر چیز سے بڑھ کر محبت کی جائے حتیٰ کہ اپنے اہل وعیال، مال ودولت اور اپنی جان سے بھی بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی جائے اور جہاں یہ چیزیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں رکاوٹ بنیں، وہاں آپ کی محبت پر ان چیزوں کو قربان کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں چند دلائل ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں:

۱)......اپنی جان سے بڑھ کر نبیؐ سے محبت:

((عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ ہِشَامٍؓ قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ ﷺ وَھُوَ آخِذٌ بِیَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَہٗ عُمَرُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا مِنْ نَّفْسِیْ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْکَ مِنْ نَّفْسِکَ فَقَالَ لَہٗ عُمَرُ فَاِنَّہُ الْآنَ وَاللّٰہِ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: اَلْآنَ یَا عُمَرُ!))[۲]

''حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے، اے اللہ کے رسول! آپ مجھے میری جان کے علاوہ دنیا جہاں کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، قسم

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب حلاوۃ الایمان (ح ۱۶)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی ﷺ (۶۶۳۲)]

اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس وقت تک نہیں جب تک میں تمہیں تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے کہا: تو پھر اللہ کی قسم! آپؐ اب مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: عمر اب بات بنی ہے!''

عام طور پر قسم اس وقت کھائی جاتی ہے جب کسی بات کو بڑی تاکید سے کہنا مقصود ہو اور اس میں کسی قسم کی غلط بیانی کا شائبہ بھی نہ ہو اور جب اللہ کے رسول ﷺ قسم کھا کر ایک بات کہہ دیں تو ظاہر ہے پھر اس کی تاکید اور سچائی میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ اس حدیث میں آپؐ نے قسم کھا کر یہ بات بیان فرما دی کہ جب تک مجھے تم اپنی جان سے بڑھ کر محبت نہیں کرو گے تب تک تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے نبی اکرم ﷺ کی یہ بات سن کر بغیر کسی تردد کے فوراً کہا کہ آج سے آپؐ مجھے میری جان سے زیادہ محبوب ہیں!

یہ صرف ایک حضرت عمرؓ ہی کے جذبات نہیں تھے بلکہ آپ ﷺ پر ایمان [illegible] والے سبھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت بن گئی کہ وہ آپؐ سے اپنی جان سے بڑھ کر محبت کرنے لگے اور آپؐ کے ایک اشارے پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار نظر آتے۔ جنگ اُحد کے موقع پر جب آپؐ کے اردگرد صرف سات انصاری اور دو قریشی صحابی رہ گئے اور دوسری طرف دشمن نے آپ کو پوری طرح گھیرے میں لے لیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ یَرُدُّھُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ اَوْھُوَ رَفِیْقِیْ فِی الْجَنَّةِ ؟))

''جو شخص ان دشمنوں کو ہم سے دور کرے گا اس کے لیے جنت کی بشارت ہے اور وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔''

تو انصاری صحابہؓ میں سے ایک صحابی آگے بڑھا اور دشمن سے لڑتا لڑتا جامِ شہادت نوش کر گیا۔ دشمن نے مزید گھیرا تنگ کیا تو آپؐ نے پھر یہی کہا:

((مَنْ یَرُدُّھُمْ عَنَّا وَلَهُ الْجَنَّةُ اَوْھُوَ رَفِیْقِیْ فِی الْجَنَّةِ ؟))

''جو شخص ان دشمنوں کو ہم سے دور کرے گا اس کے لیے جنت کی بشارت ہے اور وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔''

یہ سن کر پھر انصاری صحابہؓ میں سے ایک صحابی آگے بڑھا اور دشمن سے لڑتا لڑتا جامِ شہادت نوش کر گیا۔ دشمن نے مزید گھیرا تنگ کیا تو آپؐ نے پھر یہی کہا اور آپ کی بات پر لبیک کہتے ہوئے پھر ایک انصاری

صحابی نے اپنی جان آپؐ پرقربان کردی۔اس طرح آپؐ کے اردگرد موجود ساتوں انصاری صحابی جب شہید ہوگئے تو آپؐ نے[ان کے جان فدائی کا جذبہ دیکھ کر] اپنے باقی دو قریشی ساتھیوں سے کہا:

((مَآاَنْصَفْنَآاَصْحَابَنَا)) ''ہم نے اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا.....!''(۱)

آپؐ نے ان صحابہ کی شادت کا احساس کیا، اگر چہ انہوں نے حبِ رسالت میں جان کی بازی لگائی تھی۔

۲)......اپنی اولاد اور والدین سے بڑھ کر نبیؐ سے محبت:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ))

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے باپ اور اس کے بیٹے سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''(۲)

اس روایت میں اگر چہ باپ اور بیٹے کا ذکر ہے مگر ضمناً باپ کے ساتھ ماں اور بیٹے کے ساتھ بیٹی بھی شامل ہے یعنی جب تک کوئی شخص اپنے ماں باپ اور اولاد سے بڑھ کر حضور ﷺ سے محبت نہ کرے، تب تک وہ کامل مومن نہیں بن سکتا۔ یہاں ماں باپ اور اولاد کا ذکر بالخصوص اس لیے کیا گیا کہ دیگر رشتہ داروں کے مقابلہ میں ان رشتوں کو زیادہ ترجیح دی جاتی ہے اور جب اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں ماں باپ اور اولاد کی محبت قربان کر دینا ایمان کا تقاضا ہے تو دیگر رشتہ داروں کے مقابلہ میں یہ تقاضا مزید بڑھ جاتا ہے۔اسی لیے ایک اور حدیث میں یہی بات حضرت انسؓ نے نبیؐ سے اس طرح روایت کی ہے کہ:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ))

[اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے باپ اور اس کے بیٹے اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''(۳)

(۱) [صحیح مسلم ،کتاب الجهاد،باب غزوة احد(ح ۱۷۸۹)]
(۲) [صحیح بخاری، کتاب الایمان،باب حب الرسول من الایمان(ح ۱٤)]
(۳) [صحیح بخاری، کتاب الایمان،باب حب الرسول من الایمان(ح ۱٥)صحیح مسلم(ح ٤٤)]

۳)......دنیا جہاں کی ہر چیز سے بڑھ کر نبیؐ سے محبت:

((عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ اَھْلِہٖ وَمَالِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ))

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک [کامل] مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اسے اس کے اہل وعیال [یعنی ماں باپ اور بیوی بچوں] اور اس کے مال ودولت اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''(۱)

معلوم ہوا کہ دنیا جہاں کی ہر چیز سے بڑھ کر اللہ کے رسولؐ سے محبت کرنی چاہیے، ورنہ ایمان مکمل نہیں!

ایک سچے محبِ رسول کا عجیب وغریب واقعہ:

مدینہ منورہ ہجرت کرآنے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ چندروز حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ انصاری کے ہاں ٹھہرے۔ یہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں اللہ کے رسول ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا گھر دومنزلہ تھا۔ نچلی منزل انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے لیے خالی کردی اور خود بالاخانہ میں تشریف لے گئے۔ ایک رات حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو اچانک یہ خیال آیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نیچے ہیں اور ہم ان کے سر کے اوپر چلتے ہیں [کہیں یہ آپ کی بے ادبی نہ ہو] چنانچہ یہ خیال آتے ہی وہ اور ان کے اہل خانہ ایک طرف ہو گئے اور ساری رات ایک کونے میں گزاردی۔

صبح کے وقت حضرت ابوایوب انصاریؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ آپ اوپر تشریف لے آئیں مگر اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ مجھے نیچے زیادہ سہولت ہے تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کہنے لگے: مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ میں ایسی چھت کے اوپر چڑھوں جس کے نیچے آپ تشریف فرما ہوں، چنانچہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے اس اصرار کو دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ اوپر چلے گئے اور حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ اپنے اہل خانہ سمیت نچلی منزل میں آگئے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کے کھانے کا بھی انتظام فرماتے تھے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ کھانا تناول فرمالیتے تو [باقی بچ جانے والے کھانے میں سے] حضرت ابوایوب [کھاتے اور] پوچھتے

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ رسول اللہ......(ح ٤٤)]

کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کس جگہ سے کھانا کھایا ہے۔[تاکہ برتن کی خاص اس جگہ سے کھائیں!] ایک مرتبہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا جس میں[کچا]لہسن تھا۔جب وہ کھانا واپس آیا تو حضرت ابوایوبؓ نے پوچھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کس حصے سے کھانا کھایا ہے؟ آپؓ سے کہا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے آج کھانا نہیں کھایا۔یہ سنتے ہی حضرت ابوایوبؓ پریشان ہو گئے اور سیدھے اللہ کے رسول کے پاس گئے اور عرض کیا:اے اللہ کے رسول!کیا لہسن حرام ہے؟ آپؐ نے فرمایا:یہ حرام نہیں ہے مگر میں اسے طبعی طور پر ناپسند کرتا ہوں۔یہ سن کر حضرت ابوایوبؓ نے کہا جس چیز کو آپ ناپسند کرتے ہیں،[آج سے]میں بھی اسے ناپسند کرتا ہوں......![1]

[3]......نبی کریم ﷺ سے محبت کیوں کی جائے؟

گزشتہ آیات اور احادیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ سے اتنی گہری محبت ہونی چاہیے کہ آپؐ کے لیے اپنی جان اور مال کی قربانی سے بھی انسان دریغ نہ کرے لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر آپؐ سے اس قدر زیادہ محبت کیوں ضروری ہے؟!

۱)......اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ آپؐ سے اتنی زیادہ محبت ہمارے دین کا تقاضا ہے۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اور اَحادیث میں خود نبی اکرم ﷺ نے اس کی صاف وضاحت فرمادی ہے اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اس وقت تک کسی انسان کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے مال، جان، اولاد، والدین اور دنیا کے تمام انسانوں سے بڑھ کر حضور ﷺ کو محبوب نہ سمجھے اور جو شخص ان مادی چیزوں کو آپ ﷺ کی محبت پر فوقیت دے،اسے اللہ تعالیٰ نے عذاب کی وعید سنائی ہے۔

۲)......آپ ﷺ سے اتنی گہری محبت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ آپؐ ہی کی بدولت ہمیں وہ راہِ ہدایت ملی ہے جس پر چل کر ہم سیدھے جنت میں پہنچ سکتے ہیں۔اور اگر ہم آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر عمل نہ کریں اور آپ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کو اختیار نہ کریں،تو ہم دنیا میں بھی بھٹک جائیں گے اور آخرت میں بھی معاذ اللہ جہنم کی سزا پائیں گے۔

۳)......آپ ﷺ سے محبت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ جب آپؐ اپنی امت سے اتنی گہری محبت وشفقت

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب اباحة اکل الثوم......(ح۲۰۵۳)]

رکھتے تھے کہ امت کی ہدایت کے لیے آپؐ نے پتھر کھائے، طعنے سنے، سزائیں برداشت کیں، گھر بار اور وطن چھوڑا، ہر طرح کا ظلم وستم سہا تو آخر ہم کیوں نہ آپ ﷺ کی محبت میں اتنی قربانی دیں۔ ہمیں تو اس سے بھی بڑھ کر آپ ﷺ کی محبت وشفقت کا جواب دینا چاہیے۔

۴)......آپ ﷺ سے گہری محبت کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہمیں قیامت کے روز اپنے نبیؐ کا ساتھ نصیب ہو جائے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آیا اور آکر یہ سوال کیا:

((مَتَى السَّاعَةُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟......)) ''اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟''

آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کر رکھی ہے؟'' وہ کہنے لگا:

((مَا اَعْدَدْتُ لَهَامِنْ كَثِيْرِ صَلَاةٍ وَّلَاصَوْمٍ وَّلَاصَدَقَةٍ وَلٰكِنِّىْ أُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ))

''میں نے قیامت کے لیے نماز، روزہ اور صدقہ وخیرات جیسی نیکیاں تو بہت زیادہ نہیں کیں، البتہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ تو آپؐ نے اس سے فرمایا:

((اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ)) ''پھر تو اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تو محبت رکھتا ہے۔''(۱)

ایک اور روایت میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم کسی اور بات سے اتنا خوش نہ ہوئے جتنا آنحضرت ﷺ کی اس بات سے ہوئے کہ: ((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ))

''آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔'' پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

((فَاَنَا اُحِبُّ النَّبِيَّ وَاَبَابَكْرٍ وَّعُمَرَ وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ مَعَهُمْ بِحُبِّيْ اِيَّاهُمْ وَاِنْ لَّمْ اَعْمَلْ بِمِثْلِ اَعْمَالِهِمْ))

''لہٰذا میں تو نبی کریم ﷺ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہوں تا کہ ان کے ساتھ محبت کرنے کی وجہ سے مجھے ان کا ساتھ نصیب ہو جائے اگرچہ میرے اعمال ان جیسے نہیں ہیں۔''(۲)

۵)......آپ ﷺ سے گہری محبت کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ ہمیں اللہ کے رسول ﷺ سے اتنی محبت اس لیے کرنی چاہیے کہ اللہ ہم سے راضی ہو جائے اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ ہم اس کے محبوب پیغمبرؐ سے محبت کریں اور اس کی سنت پر عمل کریں۔

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الادب، باب علامة الحب فی اللہ......(ح ۶۱۷۱)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عمرؓ (ح ۳۶۸۸)]

[4]......نبی کریم ﷺ سے اظہارِ محبت کا طریقہ

یہ بات تو پوری وضاحت سے ہمارے سامنے آ چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے محبت جزوِ ایمان ہے لیکن اس محبت کے اظہار کا طریقہ کیا ہے، یہ سوال بھی نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اظہارِ محبت میں بعض اُوقات انسان ضروری حدود کو بھی پھلانگ جاتا ہے اور کسی ایسے قول وفعل کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے جو عقیدت واحترام کے منافی قرار پاتا ہے۔ اس لیے اظہارِ محبت جس طرح ضروری ہے اسی طرح یہ اس سے بھی زیادہ ضروری ہے کہ اظہارِ محبت کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جو خود اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتایا اور آپ کے صحابہؓ نے جسے اپنایا ہے۔ بلکہ بہتر ہوگا کہ اس سلسلہ میں صحابہ کی سیرتوں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے کہ ان اولیں اور جانثار نفوس نے حضورؐ سے اظہارِ محبت کا کیا طریقہ اختیار کیا کیونکہ ان سے بڑھ کر حضور ﷺ سے سچی محبت کرنے والا کوئی نہیں اس لیے کہ ان کی محبت و جانثاری کی دلیل خود اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر دے دی کہ

﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾[سورة التوبة: ١٠٠]

''اللہ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔''

اگر صحابہ کو اللہ کے رسولؐ سے دلی محبت نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کے اس نفاق کو قرآن میں کھول کر بیان کر دیتے لیکن پورا قرآن پڑھ جائیے، آپ کو صحابہؓ کے بارے تعریف وتوصیف ہی کے کلمات ملیں گے۔

علاوہ اَزیں صحابہؓ نے اظہارِ محبت کا وہی طریقہ اختیار کیا جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند تھا اور اس سلسلہ میں انہوں نے کوئی ایسا اِقدام نہیں کیا جو اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند تھا۔ اس سلسلہ میں اگر کہیں ذرا سی بھی کوتاہی یا غلط فہمی ہوئی تو اللہ یا اس کے رسولؐ نے فوراً تنبیہ اور وضاحت فرما دی۔ یہ بھی واضح رہے کہ اگر صحابہؓ نے اظہارِ محبت وعقیدت کا کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا جبکہ بظاہر اسے اختیار کرنے میں کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی تو ان کے بعد تا قیامت ایسے کسی طریقے کو نبی سے اظہارِ محبت کے نام پر اختیار کرنا درست نہ ہوگا۔

مزید برآں آپ ﷺ سے اظہارِ محبت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آپ کی اطاعت واتباع کی جائے۔ آپ کی اَحادیث اور سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کیا جائے۔ آپؐ پر درود بھیجا جائے، بالخصوص اس وقت جب آپ کا نامِ نامی سنا، یا پڑھا جائے۔ اگلے صفحات میں ان میں سے بعض چیزوں کی تفصیل آ رہی ہے۔

[5]......نبی کریم ﷺ سے محبت کے تقاضے اور علامتیں

محبت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں، اگر انہیں پورا کیا جائے تو وہ بظاہر اس بات کی علامت بن جاتے ہیں کہ محبّ کو اپنے محبوب سے محبت ہے۔ اگر ہم اللہ کے رسول ﷺ کو اپنا محبوب سمجھتے اور اپنے آپ کو محبِّ رسولؐ قرار دیتے ہیں تو پھر ہمیں آنحضرت ﷺ سے محبت کے ضروری تقاضے بھی پورا کرنا ہوں گے۔ اس سلسلہ میں آئندہ سطور میں حبِّ رسول کے چند اہم تقاضوں اور علامتوں کو ذکر کیا جا رہا ہے۔

۱)......اتباع واطاعت:

نبی کریم ﷺ سے محبت کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی کامل اتباع واطاعت کی جائے۔ یہ آپؐ سے اظہارِ محبت کا ایک بہترین طریقہ بھی ہے اور اس بات کی دلیل بھی کہ آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع کرنے والے کو واقعی آپ ﷺ سے دلی محبت ہے۔ کیونکہ ایک شخص اگر کسی سے محبت کرتا ہے تو وہ اظہارِ محبت کے لیے اپنے محبوب کی بات مانتا اور اس کے نقشِ قدم پر چلتا ہے اور اسے اپنے لیے باعثِ فخر بھی سمجھتا ہے اور اگر اس کی محبت کا تعلق محض زبانی دعوے کی حد تک ہو تو اسے کوئی بھی سچا محبّ تسلیم نہیں کرتا۔ یہی بات حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں اس طرح بیان کی گئی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ))

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس اس چیز [دین] کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔''(۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قرادؓ فرماتے ہیں کہ

((اِنَّ النَّبِیَّ ﷺ تَوَضَّاَ یَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُہٗ یَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِہٖ فَقَالَ لَھُمُ النَّبِیُّ: مَا یَحْمِلُکُمْ عَلٰی ھٰذَا؟ قَالُوْا حُبُّ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ: مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اَوْ یُحِبَّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَہٗ اِذَا حَدَّثَ وَلْیُؤَدِّ اَمَانَتَہٗ اِذَا اؤْتُمِنَ وَلْیُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَہٗ))

(۱) [شرح السنۃ، کتاب الایمان: باب رد البدع والاھواء (ح ۱۰٤ ج۱ ص۲۱۲، ۲۱۳)]

''ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ وضو کرنے لگے تو آپؐ کے بعض صحابہ آپ کے وضو سے گرنے والے پانی کو لے کر اپنے جسموں پر ملنا شروع ہو گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے یہ معاملہ دیکھا تو ان سے پوچھا: تمھیں کس چیز نے ایسا کرنے پر آمادہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگے: اللہ اور اس کے رسول کی محبت نے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کریں، یا وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرے تو اسے چاہیے کہ گفتگو میں ہمیشہ سچ بولے، جب اسے کوئی امانت دی جائے تو اس میں خیانت نہ کرے اور اپنے ہمسائے کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔''(۱)

یعنی آنحضرت ﷺ کے جسم سے چھونے والی چیزوں مثلاً: جوتے، کپڑے، برتن، پانی وغیرہ کا احترام کافی نہیں اور نہ ہی یہ عمل حبِ رسول کی پوری دلیل ہے بلکہ حبِ رسولؐ کا اصل تقاضا تو یہ ہے کہ آپ کی بتائی ہوئی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ اسی لیے آپؐ نے صحابہؓ کے مذکورہ بالا عمل پر واضح فرمادیا کہ اصل حبِ رسولؐ تو یہ ہے کہ جھوٹ، خیانت، ظلم اور اس جیسے دیگر اَخلاقِ سیئہ سے بچتے ہوئے سچ، امانت، عدل وانصاف وغیرہ جیسے اَخلاقِ حسنہ کو اپنایا جائے۔ دوسرے لفظوں میں آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ حبِ رسول کا اصل تقاضا یہ ہے کہ میری تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ یہی بات درج ذیل حدیث میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

((عَنْ اَبِی سَعِیْدٍقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: مَنْ اَکَلَ طَیِّبًا وَعَمِلَ فِیْ سُنَّةٍ وَاَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ هٰذَا الْیَوْمَ فِی النَّاسِ لَکَثِیْرٌ قَالَ فَسَیَکُوْنَ فِیْ قُرُوْنٍ بَعْدِیْ))

''حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے حلال و پاکیزہ کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور دوسرے لوگوں کو اس نے کوئی تکلیف نہ پہنچائی، تو وہ جنت میں جائے گا۔ یہ سن کر ایک آدمی کہنے لگا: اللہ کے رسول! یہ چیز تو آج ہمارے ہاں بہت سے لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ہاں، مگر میرے بعد آنے والے وقتوں میں یہ بہت کم ہو جائے گی۔''(۲)

رزقِ حلال کا اہتمام، سنتِ رسولؐ پر عمل کا جذبہ اور دوسرے لوگوں کے لیے نرمی ورحمدلی کا مظاہرہ، یہ سب اَوصاف انسان کو جنت میں لے جاتے ہیں چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں تو یہ اَوصافِ حمیدہ بہت نمایاں تھے مگر آپؐ نے پیشین گوئی فرمائی کہ بعد کے زمانے میں یہ اَوصاف

(۱) [شعب الایمان للبیهقی، باب فی تعظیم النبی(ح۱۵۳۳، ج۲ص۲۰۱)]

(۲) [ترمذی، کتاب صفة القیامة، باب حدیث اعقلها وتوکل......(ح۲۵۲۰)]

حسنہ ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ دیکھ لیجیے اللہ کے رسول کی یہ پیش گوئی آج ہمارے سامنے پوری ہو چکی ہے، لوگوں میں حلال حرام کی تمیز ختم ہو کر رہ گئی ہے، حب رسول کا دعوی کرنے والے تو بہت ہیں مگر سنتِ رسولؐ پر عمل کا جذبہ مر چکا ہے......!!

۲)......مطالعۂ حدیث وسیرت:

آپ ﷺ سے محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ آپ کی اَحادیث اور سیرت وسوانح کا بخوشی اور بکثرت مطالعہ کیا جائے اور اس مقصد کے لیے آپ کی احادیث وسیرت طیبہ پر لکھی گئی مستند کتابوں کو منتخب کیا جائے۔ جب آپ کی احادیث وسیرت کا مطالعہ کیا جائے گا تو اس سے دو بڑے فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ آپؐ نے اس امت کی فلاح ونجات کے لیے جو محنت ومشقت اٹھائی، اس کی پوری تصویر ہماری آنکھوں کے سامنے آ جائے گی اور اسے پڑھ کر آپؐ کے ساتھ ہماری محبت میں یقیناً اضافہ ہوگا۔

دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ کی اطاعت واتباع ہمارے لیے آسان ہو جائے گی کیونکہ جب تک یہ معلوم نہ ہو سکے کہ انفرادی واجتماعی طور پر زندگی کے سیاسی، معاشی، نجی وخانگی اور معاشرتی وتمدنی معاملات میں آپؐ کی ہدایات کیا ہیں، تب تک ان معاملات میں آپ کی اطاعت واتباع کی ہی نہیں جا سکتی اور ظاہر ہے آپؐ کی اَحادیث اور سیرت وسوانح کے مطالعہ ہی سے ہمیں ان چیزوں سے واقفیت ہوگی۔

۳)......نبی علیہ السلام کی صحبت کی خواہش اور آپؐ کے دیدار کا شوق:

نبی کریم ﷺ سے محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ آپؐ کے دیدار کی خواہش کی جائے، کیونکہ خود آپؐ نے اپنے دیدار کی خواہش کو اپنی محبت کی ایک علامت قرار دیا ہے جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِیْ اِلَیَّ حُبًّا نَاسٌ یَکُوْنُوْنَ بَعْدِیْ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْرَآنِیْ بِاَھْلِهٖ وَمَالِهٖ))

''مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے میری امت کے وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور ان کی یہ خواہش ہوگی کہ وہ میرا دیدار کر لیں خواہ اس کے لیے انہیں اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کی قربانی ہی کیوں نہ دینا پڑے۔''(۱)

جب آپ ﷺ اپنے دیدار کی خواہش کرنے والے کو خود ہی اپنا محب قرار دے رہے ہیں، تو ان لوگوں

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الجنة، باب فیمن یود رؤیة النبیؐ باھله وماله (ح۲۸۳۲)]

کا کیا مقام ہوگا جنہوں نے اپنی حیات میں آپ کا دیدار کیا اور بار ہا کیا......!!

اس بارے حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((طُوبٰی لِمَنْ رَآنِیْ وَطُوبٰی لِمَنْ رَای مَنْ رَآنِیْ وَلِمَنْ رَآی مَنْ رَآی،مَنْ رَآنِیْ وَاٰمَنَ بِیْ))

''اس شخص کے لیے [جنت کی] خوش خبری ہے جس نے مجھے دیکھا اور خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس نے مجھے دیکھنے والے [یعنی میرے کسی صحابی] کو دیکھا اور خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس نے اس شخص کو دیکھا، جس نے مجھ پر ایمان لانے والے کسی صحابی کو دیکھا ہے۔''(۱)

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ

((طُوبٰی لِمَنْ رَآنِی وَآمَنَ بِیْ وَطُوبٰی سَبْعَ مَرَّاتٍ لِمَنْ لَمْ یَرَنِیْ وَآمَنَ بِیْ))

''اس شخص کے لیے [جنت کی] خوشخبری ہے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لے آیا۔ اور اس شخص کے لیے تو سات مرتبہ خوشخبری ہے جس نے مجھے دیکھا نہیں مگر پھر بھی مجھ پر ایمان لے آیا۔''(۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار اور آپ کی صحبت نشینی کی ہر وقت شدید تمنا رکھتے تھے، بطورِ مثال چند واقعات ملاحظہ فرمائیں:

☆......بعض روایات میں آتا ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا:

اے اللہ کے رسولؐ! میں بغیر کسی شک کے یہ کہتا ہوں کہ آپؐ مجھے میری جان سے بڑھ کر عزیز ہیں اور میری اَولاد سے بھی زیادہ آپؐ مجھے محبوب ہیں اور سچی بات ہے کہ جب میں گھر پر ہوتا ہوں اور آپ کی یاد مجھے ستاتی ہے تو جب تک میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کا دیدار نہ کرلوں، مجھے اطمینان اور چین نہیں آتا لیکن جب مجھے اپنی اور آپ کی موت یاد آتی ہے تو میں جان لیتا ہوں کہ آپؐ تو جنت میں انبیاء کے ساتھ ہوں گے مگر میں جنت میں داخل ہوا بھی، تو آپؐ کا وہاں دیدار ہی نہ کرسکوں گا۔ [یعنی آپؐ تو بلند تر مقام پر ہوں گے اور میری وہاں تک رسائی نہ ہوگی، اس بات سے مجھے فکر لاحق ہوتی ہے کہ جنت میں جب آپ کی یاد آئے گی تو میں آپؐ کا دیدار کیسے کروں گا؟]

آپؐ نے ابھی اپنے اس محب کو کوئی جواب نہ دیا تھا کہ حضرت جبریلؑ یہ آیت لے کر نازل ہوگئے:

﴿وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ

(۱) [حاکم(۸٦/۳)مجمع الزوائد(۲۰/۱۰) السلسلة الصحیحة(ح۱۲۵٤)] (۲) [الصحیحة(ح۱۲٤۱)]

وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيْقًا﴾[سورة النسآء:٦٩]

''اور جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے، جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔''(۱)

یعنی جسے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ محبت ہوگی، اسے جنت میں بھی حضورؐ کا ساتھ نصیب ہو جائے گا۔ یا اللہ! تو جانتا ہے کہ ہمیں بھی تیرے رسولؐ کے ساتھ محبت ہے، پس تو ہمیں بھی روز آخرت اپنے حبیبؐ کا ساتھ نصیب فرما، آمین یارب العالمین!

☆......حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ فرماتے ہیں کہ

((كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَآتَيْتُهُ بِوَضُوْئِهِ وَحَاجَتِهِ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوَغَيْرَ ذٰلِكَ؟ قُلْتُ هُوَذَاكَ ! قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ))

''میں اللہ کے رسول ﷺ کے ہاں رات بسر کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں آپؐ کے لیے وضو کا پانی اور اَشیائے حاجت لے کر حاضر ہوا تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا: ربیعہ! کوئی فرمائش ہے تو پیش کرو۔ ربیعہ کہتے ہیں میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں جنت میں آپؐ کا ساتھ مانگتا ہوں۔ آپؐ نے کہا: کوئی اور بھی فرمائش ہے؟ میں نے کہا نہیں، تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر اس فرمائش کے پورا کروانے میں بہت زیادہ نوافل پڑھ کر میری مدد کرو۔''(۲)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو اپنی حیات میں بھی اللہ کے رسول ﷺ سے شدید محبت تھی اور آپؐ کے دیدار کے وہ متمنی رہتے تھے اور وفات کے بعد بھی وہ آپؐ کا ساتھ چاہتے تھے۔ ہم لوگ چونکہ آپ کی زیارت سے محروم رکھے گئے ہیں اس لیے ہمیں آپ کی زیارت کی خواہش ضرور رکھنی چاہیے۔ ہوسکتا ہے اس زندگی میں اللہ تعالیٰ جسے چاہیں بذریعہ خواب اپنے نبی کی زیارت کی سعادت نصیب فرما دیں۔ علاوہ ازیں ہمیں ایسے اَعمال بجالانے چاہییں جن سے قیامت کے روز ہمیں آپ ﷺ کا ساتھ نصیب ہو جائے۔

خواب میں نبی کریمؐ کی زیارت کے لیے بعض گمراہ کن طریقے:

اس بات میں شک نہیں کہ اللہ جسے چاہیں خواب میں اپنے پیغمبر کا دیدار کروا دیں اور یہ دیدار کرنے والے کے لیے بڑے نصیب کی بات ہے مگر شیطان نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے یہ موقع بھی خالی نہیں جانے

(۱) [مجمع الزوائد(۲/۲)المعجم الصغير(۲٦/۱)الصحيح المسند من اسباب النزول(ص٤٦)لمقبل بن هادی]

(۲) [صحيح مسلم، كتاب الصلاة: باب فضل السجود ......(ح٤٨٩)ابو داؤد، كتاب التطوع (ح١٣١٦)]

دیا۔ بہت سے لوگوں کے بارے ہم نے سنا اور دیکھا ہے کہ وہ حضورؐ کے دیدار کروانے کے نام پر خود بھی گمراہانہ کام کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی گمراہی میں دھکیل رہے ہیں۔ یہ لوگ جادوئی عملیات کے سہارے، جنات وشیاطین کی مدد لے کر، یا نفسیاتی طور پر ہپناٹائز کر کے لوگوں کو یہ باور کرواتے ہیں کہ انہیں نہ صرف خواب میں بلکہ جیتے جاگتے بھی اللہ کے رسول کا دیدار کروایا جاسکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے آنے والے سے بعض اوقات کفریہ وشرکیہ عمل بھی کروائے جاتے ہیں اور لمبے لمبے مراقبے بھی۔ ان مراقبوں کے دوران کئی نمازیں بھی ضائع کی جاتی ہیں۔ آپ خود ہی یہ فیصلہ کر لیجیے کہ زیارتِ مصطفیٰؐ کے نام پر ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے کفر وشرک کی بو بھی آئے اور فرض نمازیں بھی ضائع ہوں، درست ہوسکتا ہے......؟!

پھر یہ بھی یاد رہے کہ اللہ کے رسولؐ نے ہرگز کوئی ایسا وظیفہ نہیں بتایا کہ جسے پڑھ کر آپ جب چاہیں، حضورؐ کا دیدار فرمالیں۔ اگر کوئی اس بات کا دعویٰ کرے تو اس سے صرف اتنا پوچھ لیجیے کہ اس دعوے کی تصدیق قرآن کی کس آیت یا اللہ کے رسول کی کس حدیث سے ہوتی ہے؟ اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا......!

اسی طرح یہ بھی یاد رکھیں کہ جسے خواب میں اللہ کے رسولؐ کا دیدار نہ ہو، یہ اس کے ایمان کی خرابی کی علامت نہیں ہے اور نہ ہی قرآن یا کسی صحیح حدیث میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ زندگی میں ایک آدھ مرتبہ اللہ کے رسول کا دیدار لازمی ہونا چاہیے۔ اگر ایسا ہے تو پھر تابعین سے لے کر آج تک ان ہزاروں، لاکھوں پختہ ایمان والوں کے بارے کیا کہا جائے گا جنہوں نے اللہ کے رسولؐ کے دیدار کے لیے نہ تو چلے کاٹے اور نہ کوئی خاص وظیفے کیے اور نہ ہی انہوں نے حضورؐ کے دیدار کا دعویٰ کیا بلکہ آپؐ کے دیدار اور زیارت سے محرومی کی حالت ہی میں فوت ہو گئے......!!

زیارتِ مصطفیٰؐ کے سلسلہ میں مجھے ایک دلچسپ بات یاد آ گئی وہ بھی ذرا ملاحظہ فرمائیے۔ میرے ایک دوست کا قریبی رشتہ دار جو نماز روزے وغیرہ کے معاملے میں تو بس کمزور ہی تھا مگر اس بات کا بڑا مشتاق تھا کہ اسے خواب یا بیداری میں کسی طرح اللہ کے رسولؐ کا دیدار نصیب ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے اسے جو کہا جاتا تاوہ کر گزرتا۔ اگر کسی کے بارے علم ہوتا کہ اسے اللہ کے رسولؐ کا دیدار نصیب ہوا ہے تو اس کے پاس پہنچ جاتا، تاکہ اسے بھی وہ فارمولا ہاتھ آ جائے جس کی مدد سے یہ بھی جب چاہے اللہ کے رسولؐ کا دیدار کر لیا کرے۔ اسی تگ ودو میں وہ ایک گمراہ آدمی کے ہتھے چڑھ گیا اور عجیب وغریب عملیات اور وظیفے کرنے لگا۔ بالآخر چار سال کی طویل جدوجہد کے بعد ایک مرتبہ اس نے یہ کہہ ہی دیا کہ میں بھی اللہ

کے رسولؐ کے دیدار کی سعادت پا چکا ہوں اور ایک مرتبہ نہیں بلکہ چار مرتبہ مجھے یہ سعادت حاصل ہوئی ہے۔ میں نے جب بھی اس بارے اس سے گفتگو کرنا چاہی، اس نے انکار کر دیا۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے صرف یہ بتا دو کہ اللہ کے رسول کا چہرہ کیسا تھا۔ اس نے اللہ کے رسولؐ کے چہرے کی وضع قطع بتانا شروع کر دی، اسی دوران وہ کہنے لگا کہ اللہ کے رسولؐ کے چہرہ مبارک پر داڑھی نہیں تھی۔ میں نے جب یہ بات سنی تو اس سے کہا بس کرو، مجھے علم ہو گیا ہے کہ تم نے اللہ کے رسول کو نہیں دیکھا کیونکہ صحیح احادیث میں یہ بات موجود ہے کہ اللہ کے رسولؐ کے چہرہ مبارک پر داڑھی تھی۔ یہ بغیر داڑھی والا ممکن ہے کوئی اور ہو مگر اللہ کا رسول نہیں ہو سکتا۔ بعد میں مجھے یقین ہو گیا کہ شیطان اسے گمراہی کی طرف لے جا رہا ہے کیونکہ اس نے یہ کہتے ہوئے داڑھی منڈوا دی تھی کہ "مجھے خواب میں جو نبی دکھائی دیا ہے وہ داڑھی منڈا تھا، لہٰذا داڑھی رکھنا سنتِ رسول نہیں ہے۔" [استغفر اللہ......!!]

۴)......ذکر و نعت:

آپ ﷺ سے محبت کی ایک علامت ہے آپ کا ذکر اور آپ کی نعت۔ آپؐ کے ذکر و نعت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو اچھے الفاظ سے یاد کیا جائے۔ آپ کی تعریف کی جائے۔ آپ کی مدح میں نعت لکھی یا کہی جائے۔ یاد رہے کہ آپ کا ذکر و نعت خود ہماری ضرورت ہے، اللہ کے رسولؐ اس کے محتاج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ فرمایا ہے: ﴿وَرَفَعْنَالَكَ ذِكْرَكَ﴾

"ہم نے آپ ﷺ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔" [سورة الانشراح: ٤]

یعنی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ پر خصوصی فضل فرمایا اور آپ کے ذکر کا آوازہ بلند کرنے کی خود ذمہ داری اٹھائی۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے اس وقت کہی جب نبی اکرم ﷺ پر بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے تھے اور لوگوں کی کثرت آپ کے مخالف تھی بلکہ وہ آپ کو معاذ اللہ نیست و نابود کر دینے کے درپے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے ان حالات ہی میں آپ کو یہ پیش گوئی فرما دی کہ آپ کا چرچا، چار سو ہو گا اور یہ ہماری ذمہ داری ہے، چنانچہ اس ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف حضور ﷺ کو فتوحات سے نوازا اور آپ کا دین دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا بلکہ اس کے ساتھ آپ کا نام بھی رہتی کائنات تک زندہ کر دیا۔

اَذان، نماز، قرآن اور دین کے ہر اہم معاملے میں آپ کا نامِ مبارک شامل کر دیا گیا۔ آج دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں مسلمان آباد نہ ہوں اور جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں، وہاں پانچ وقت نماز پڑھی جاتی

اوراذان کہی جاتی ہے،اذان میں دومرتبہ اورنماز میں اس سے زیادہ مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ کا نام لیا جاتا ہے۔اذان اورنماز کا وقت پوری دنیا میں مختلف ہے اوردن رات کا کوئی حصہ ایسا نہیں جب دنیا میں کہیں نہ کہیں اذان یا نماز کا وقت نہ ہو۔گویا پوری دنیا میں کسی نہ کسی وقت اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا جا رہا ہوتا ہے۔دنیا ہی نہیں آسمان پر فرشتوں کی محفل میں اللہ تعالیٰ بھی آپ ﷺ کا تذکرہ کرتے اورآپ پر اپنی رحمتیں بھیجتے ہیں......صلی اللّٰہ علیہ وعلی آلہ وسلم!

آپ ﷺ کا نام ''مُحَمَّدٌ'' قرآن مجید میں چار مرتبہ آیا ہے۔اس نام کے پانچ حروف ہیں اورقرآن مجید کے ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔اس نیت کے ساتھ ایک مرتبہ اگر لفظ مُحَمَّدٌ کہا جائے تو پچاس نیکیاں ملتی ہیں۔اس لیے آپ ﷺ کا نامِ نامی اسمِ گرامی جہاں مسلمان عقیدت واحترام سے لیتے ہیں،وہاں وہ اسے باعثِ اجر بھی سمجھتے ہیں۔یہ بھی آپ ﷺ کے رفعتِ ذکر کی ایک علامت ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ذکر اورآپ کی نعت جہاں آپؐ سے محبت کی علامت ہے،وہاں اس سلسلہ میں افراط وتفریط بھی پائی جاتی ہے۔اردو،عربی،فارسی،انگریزی اوردیگر زندہ زبانوں میں آپ ﷺ کی شان رسالت میں لکھی گئی نعتوں میں کئی نعتیں ایسی بھی ہیں جن میں آپ ﷺ کی شان میں حد سے زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔بعض جگہ تو شاعر آپ ﷺ کی شان اس مبالغہ آرائی سے بیان کرتا ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر وشریک بنا چھوڑتا ہے۔ظاہر ہے ایسی ہر بات اسلام کے عقیدۂ توحید کے منافی ہے اورخود نبی اکرم ﷺ بھی ایسی کوئی بات برداشت نہیں کرتے تھے جس کی عقیدۂ توحید پر زد پڑتی خواہ وہ بات آپؐ ہی کی شان میں کیوں نہ کہی جا رہی ہوتی مثلاً ایک مرتبہ آپؐ کے سامنے آپ کی شان میں یہ شعر پڑھا گیا:

((وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ))

''اس وقت ہمارے درمیان وہ نبی موجود ہیں جنھیں آنے والے دنوں کی باتیں بھی معلوم ہیں۔''(۱)

اس پر نبی اکرمؐ نے منع کرتے ہوئے فرمایا:''یہ نہ کہو۔'' کیونکہ اس شعر میں آپؐ کے بارے علمِ غیب کا دعویٰ کیا گیا تھا جبکہ آپؐ ہی نے ہمیں بتایا ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی غیب دان نہیں۔اس لیے آپؐ نے اس طرح کی بات پر فوراً ٹوک دیا۔اگر آپؐ غیب دان ہوتے تو آپؐ اس شعر پر ہرگز نہ ٹوکتے بلکہ اس کی تائید ہی فرماتے۔یہ الگ بات ہے کہ اللہ جب چاہتے،بذریعہ وحی اپنے نبی کو غیب کی کسی بات سے مطلع کر دیتے۔

(۱) [صحیح بخاری،کتاب النکاح،باب ضرب الدف فی النکاح(ح ۵۱۴۷)]

[6]......نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجنا

قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کی بابت ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

''اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی پر صلاۃ [درود] بھیجتے ہیں۔اے ایمان والو! تم [بھی] ان پر صلاۃ [درود] بھیجو اور خوب سلام [بھی] بھیجتے رہا کرو۔'' [سورۃ الاحزاب:۵٦]

اس آیت میں نبی اکرم ﷺ پر صلاۃ وسلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھی نبی پر صلوۃ وسلام بھیجتے ہیں۔آپؐ پر اللہ اور فرشتوں کے صلوۃ وسلام بھیجنے کا کیا مطلب ہے اور ہم آپؐ پر کس طرح صلاۃ وسلام بھیجیں،اس کی وضاحت کے لیے درج ذیل تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

''صلاۃ کا لفظ جب عَلٰی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو اس کے تین معنی ہوتے ہیں۔ایک کسی پر مائل ہونا،اس کی طرف محبت کے ساتھ متوجہ ہونا اور اس پر جھکنا۔دوسرے کسی کی تعریف کرنا۔تیسرے کسی کے حق میں دعا کرنا۔یہ لفظ جب اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جائے گا تو ظاہر ہے کہ تیسرے معنی میں نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ کا کسی اور سے دعا کرنا قطعاً ناقابلِ تصور ہے۔اس لیے لامحالہ وہ صرف پہلے دو معنوں میں ہوگا لیکن جب یہ لفظ بندوں کے لیے بولا جائے گا،خواہ وہ فرشتے ہوں یا انسان تو وہ تینوں معنوں میں ہوگا۔اس میں محبت کا مفہوم بھی ہوگا،مدح وثنا کا مفہوم بھی اور دعائے رحمت کا مفہوم بھی۔لہٰذا اہل ایمان کو نبی ﷺ کے حق میں صَلُّوْا عَلَيْهِ کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ تم ان کے گرویدہ ہو جاؤ،ان کی مدح وثنا کرو،اور ان کے لیے دعا کرو۔سَلَام کا لفظ بھی دو معنی رکھتا ہے۔ایک ہر طرح کی آفات اور نقائص سے محفوظ رہنا،جس کے لیے ہم اردو میں سلامتی کا لفظ بولتے ہیں۔دوسرے صلح اور عدم مخالفت۔پس نبی ﷺ کے حق میں سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کہنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ تم ان کے حق میں کامل سلامتی کی دعا کرو۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم پوری طرح دل وجان سے ان کا ساتھ دو،ان کی مخالفت سے پرہیز کرو اور ان کے سچے فرمانبردار بن کر رہو۔یہ حکم جب نازل ہوا تو متعدد صحابہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ،سلام کا طریقہ تو آپ ہمیں بتا چکے ہیں (یعنی نماز میں

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُهٗ اور ملاقات کے وقت اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ کہنا) مگر آپؐ پر صلاۃ بھیجنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے بہت سے لوگوں کو مختلف مواقع پر درود سکھائے ہیں۔'' [تفہیم القرآن، ازمولانا مودودیؒ (ج ۴ ص ۱۲۴، ۱۲۵)]

درود کے صحیح الفاظ:

نبی اکرمؐ پر کن الفاظ میں درود پڑھا جائے، اس بارے خود آپؐ نے اپنے صحابہ کو مختلف درود سکھائے ہیں۔ بعض اہل علم نے درود سے متعلقہ روایات کو جمع کرنے کی بھی کوشش کی ہے مثلاً حافظ ابن قیمؒ نے اس موضوع پر جلاء الافھام فی الصلاۃ والسلام علی خیرالانام کے نام سے ایک عمدہ کتاب لکھی جس کا اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے۔ اس میں مصنف نے درود سے متعلقہ اَحادیث اور علمی نکات جمع کر دیے ہیں۔

درود و سلام کے سلسلہ میں اس بات کا خاص اہتمام کیا جائے کہ درود کے لیے وہی الفاظ [صیغے] استعمال کیے جائیں جن کا ثبوت صحیح اَحادیث سے مل جائے۔ بعض لوگوں نے اپنی طرف سے کئی درود بنا رکھے ہیں، اور خود ہی ان کی من مانی فضیلتیں بھی بیان کر دی ہیں۔ دین کے نام سے کوئی عمل ایجاد کر لینا یقیناً بہت بڑی جسارت ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کے حضور جو سزا ملے گی وہ تو ضرور ملے گی، تاہم جان بوجھ کر اَحادیث سے ثابت شدہ درود چھوڑ کر لوگوں کے بنائے ہوئے ایسے درود (جن پر ثواب کی مہریں بھی انہوں نے لگا رکھی ہوں) پڑھنے والے کو بھی اَجر و ثواب کی بجائے گناہ ہی حاصل ہوگا......!

ذیل میں صرف وہ ایک درود ذکر کیا جا رہا ہے جو بخاری و مسلم کی صحیح احادیث سے ثابت ہے اور بالاتفاق جسے نماز میں بھی پڑھا جاتا ہے، ہمارے نزدیک سب سے بہتر یہی درود ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے بھی صحابہ کو یہی درود سکھایا تھا۔ مختلف روایتوں میں اس کے الفاظ میں کچھ فرق اور تقدیم و تاخیر بھی ہے، مگر مجموعی طور پر اس کا مفہوم قریب قریب ہے اور وہ درود یہ ہے:

((اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ، اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ))

''یا اللہ! رحمت نازل فرما حضرت محمدؐ پر اور ان کی آل پر جس طرح تو نے رحمت فرمائی حضرت ابراہیم

علیہ السلام اوران کی آل پر۔ بے شک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔ اے اللہ! برکت فرما حضرت محمدؐ اوران کی آل پر جس طرح تو نے برکت نازل فرمائی حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کی آل پر۔ بلا شبہ تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔''(۱)

درودوسلام کی فضیلت:

درودوسلام کی فضیلت کے سلسلہ میں بہت سی اَحادیث مروی ہیں، چند صحیح اَحادیث ملاحظہ ہوں:

۱)......((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ:مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرًا))(۲)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے ارشادفرمایا:''جس شخص نے مجھ پرایک مرتبہ درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پردس رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔''ایک روایت میں اس طرح ہے:

۲)......((مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلَاةً وَاحِدَةً صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ عَشْرَصَلَوَاتٍ وَحُطَّتْ عَنْهُ عَشْرُ خَطِیْئَاتٍ وَرُفِعَتْ لَهُ عَشْرُدَرَجَاتٍ))

''جس شخص نے مجھ پرایک مرتبہ درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پردس رحمتیں نازل فرماتے ہیں، اوراس کے دس گناہ معاف فرمادیتے ہیں اوراس کے دس درجات بلند فرمادیتے ہیں۔''(۳)

۳)......((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهَ قَالَ: اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَكْثَرُهُمْ عَلَیَّ صَلَاةً))

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشادفرمایا:''قیامت کے روز میرے سب سے نزدیک وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا ہے۔''(٤)

۴)......ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے سنا کہ ایک آدمی اپنی نماز میں دعا کررہا ہے مگر اس نے دعا میں نہ اللہ کی حمدوثنا بیان کی اور نہ آپؐ پردرودوسلام بھیجا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس نے جلد بازی سے کام لیا۔ پھر اللہ کے رسولؐ نے لوگوں کودعا[کے آداب] کے بارے میں تعلیم دی۔ اس کے بعد ایک مرتبہ رسول اللہ نے ایک اور آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے سنا کہ اس نے اللہ کی حمدوثنا بیان کی پھر نبی اکرم ﷺ پردرود پڑھا

(۱) [صحیح بخاری ،کتاب احادیث الانبیاء (باب ۱۰ ح۳۳۷۰) صحیح مسلم (ح۴۰۵)]

(۲) [صحیح مسلم ،کتاب الصلاة ،باب الصلاة علی النبی......(ح۴۰۸)]

(۳) [سنن نسائی ،کتاب السهو ،باب الفضل فی الصلاة علی النبی(ح۱۲۹۸)مستدرك حاكم(ج۱ص۱٦۷)]

(٤) [جامع ترمذی ،کتاب الوتر ،باب ماجاء فی فضل الصلاة ......(ح۴۸۴)فتح الباری(ج۱۱ص۱٦۷)]

[پھر دعا کرنے لگا] تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے لیے فرمایا:

((اُدْعُ تُجَبْ وَسَلْ تُعْطَ))

''دعا کرو تمہاری دعا قبول ہوگی، اور مانگو، تمہاری مراد اللہ پوری کرے گا۔''(۱)

۵)......حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں آپؐ پر بکثرت درود و سلام بھیجتا ہوں، مجھے بتایئے کہ میں اپنی دعاؤں میں سے کتنا وقت درود و سلام کے لیے مختص کروں؟ آپؐ نے فرمایا: جتنا تم چاہو، میں نے عرض کیا: ایک چوتھائی کافی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: جتنا تم چاہو، اگر اس سے بھی زیادہ کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ میں نے کہا: آدھا کافی ہے؟ آپؐ نے پھر فرمایا: جتنا تم چاہو، میں نے کہا دو تہائی؟ آپؐ نے پھر یہی فرمایا کہ جتنا تم چاہو۔ پھر میں نے کہا کہ

((اَجْعَلُ لَكَ صَلَاتِىْ كُلَّهَا))

''میں اپنی دعا کا سارا وقت آپؐ پر درود و سلام کے لیے مختص کرتا ہوں۔'' تو آپؐ نے فرمایا:

((اِذًا تُكْفٰى هَمُّكَ وَيُغْفَرُلَكَ ذَنْبُكَ))(۲)

''پھر تو تمہاری ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی اور تمہارے سارے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے۔''

٦)......((عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ: رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص ذلیل ہو جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔''(۳)

٧)......((عَنْ عَلِيِّ ابْنِ اَبِىْ طَالِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلْبَخِيْلُ الَّذِىْ مَنْ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ))

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص بخیل ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''(٤)

(۱) [نسائی، کتاب السھو، باب التمجید والصلاۃ ... (ح١٢٨٥) احمد (١٨/٦) صفۃ الصلاۃ للالبانی (ص١٠٨)]

(۲) [مستدرک حاکم (ج۲ ص٤٢١) ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب فی الترغیب فی ذکر اللہ و ذکر الموت و فضل اکثار الصلاۃ علی النبی (ح٢٦٥٧) احمد (ج٥ ص١٣٦)]

(۳) [ترمذی، کتاب الدعوات: باب رغم النف رجل ذکرت عندہ...... (ح٣٥٤٥) مستدرک حاکم (٥٤٩/١)]

(٤) [ترمذی، ایضاً (ح٣٥٤٦) مسند احمد (ج١ ص٢٠١)]

[7]......آپ ﷺ کی محبوب چیزوں سے محبت اور مبغوض چیزوں سے نفرت

آنحضرت ﷺ سے محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ ان تمام چیزوں سے محبت کی جائے جن سے آپ محبت کرتے تھے اور ان تمام چیزوں سے نفرت کی جائے جن سے آپ نفرت کرتے تھے۔ اور یہ بات یاد رہے کہ آپ کو اچھے اور نیک کام مثلاً سچائی، حلم و بردباری، نماز، روزہ، خوشبو، داڑھی، مسواک وغیرہ سے محبت تھی جبکہ گناہ اور برے کام مثلاً نشہ آور اشیاء، بداخلاقی، گالی گلوچ اور کفر و شرک وغیرہ سے نفرت تھی۔ آپ کی محبوب اور مبغوض چیزوں کی تفصیلات کتب سیرت میں ملتی ہیں۔ یہاں ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، تاہم اس موضوع کی تفصیلات کے لیے ہماری دو کتابوں: (۱) **انسان اور نیکی** (۲) **انسان اور گناہ** کا مطالعہ مفید رہے گا۔

حضور علیہ السلام کی محبت میں سگ مدینہ کہلانا:

بعض لوگ آپ ﷺ سے محبت میں آپ کے شہر مدینہ کی ہر چیز سے محبت کا اظہار کرتے ہیں حتیٰ کہ وہاں کے کتوں سے بھی محبت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے آپ کو سگِ مدینہ (یعنی مدینہ کا کتا) کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ محبتِ رسول میں غلو ہے لہٰذا اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور دیگر مخلوقات کے مقابلے میں انسان کا انسان ہونا ہی باعثِ شرف ہے۔ اگر کوئی شخص انسان ہونے کے باوجود اپنے آپ کو جانوروں سے مشابہت دے تو وہ گویا اللہ کے عطا کردہ شرف کی بے حرمتی کرتا ہے۔ اللہ ہدایت دے۔

یہ بھی یاد رہے کہ کتا ایک ایسا جانور ہے کہ جس گھر میں یہ موجود ہو وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے اور جس برتن میں کتا منہ ڈال دے اسے سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ اب ایک ایسا جانور جس سے کھانے پینے کی چیزیں دور رکھنے کا حکم دیا گیا ہو، جسے گھروں اور مسجدوں میں داخل ہونے سے روکا جا رہا ہو، اس کے ساتھ مشابہت کتنی بدبختی کی بات ہے۔ بعض بدبختوں اور نافرمانوں ہی کی آنحضرتؐ نے اس جانور کے ساتھ مثال دی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ

نے فرمایا:

((اَلْعَائِدُفِیْ ھِبَتِہٖ کَالْکَلْبِ یَعُوْدُ فِیْ قَیْئِہٖ، لَیْسَ لَنَامَثَلُ السَّوْءِ))

''تحفہ دے کر اسے واپس مانگنے والا ایسے ہی ہے جیسے وہ کتا جو قے کر کے اسے چاٹنا شروع کر دیتا ہے، ہمیں چاہیے کہ اس بری مثال کا مصداق بننے سے بچیں۔''(۱)

اللہ کے رسول ﷺ تو کتے کی مثال بننے سے منع کریں مگر اس کے باوجود اشرف المخلوقات سے تعلق رکھنے والا کوئی انسان اگر سگِ مدینہ کہلانے میں فخر محسوس کرے تو پھر اللہ ہی اسے ہدایت دے......!!

[8]......نبی کریم ﷺ کی سنت کی نصرت ومحافظت

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کامیابی پانے والوں کی علامات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَھُمْ......فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾[الاعراف:۱۵۷]

''جولوگ ایسے رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جن کا ذکر وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں......سو جولوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں، اوران کی حمایت کرتے ہیں اوران کی مدد کرتے ہیں اوراس نور[قرآن] کی اتباع کرتے ہیں جو اسکے ساتھ بھیجا گیا ہے، ایسے لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔''

اس آیت میں اگرچہ نبی ﷺ کی زندگی میں آپ کی نصرت کا ذکر ہے مگر نبی کی رحلت کے بعد اس نصرت کی صورت یہ ہے کہ آپ کی سنت کی نصرت ومحافظت کی جائے۔ یہ آپؐ سے اظہارِ محبت کا ایک طریقہ بھی ہے اور آپؐ پر ایمان لانے کا تقاضا اور مطالبہ بھی۔ یہی بات قرآن میں ایک جگہ اس طرح بیان ہوئی ہے:

﴿ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا﴾[سورة الفتح:۸،۹]

''(اے نبیؐ!) یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ (اے مسلمانو!) تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کا ادب کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بیان کرو۔''

(۱) [نسائی، کتاب الھبة، باب ذکر الاختلاف علی طاوس فی الراجع فی ھبته۔ ترمذی، کتاب الھبة]

اس آیت میں بھی ایمان والوں کو اللہ کے رسول ﷺ کی مدد کا حکم دیا گیا ہے، آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں تو آپ کے صحابہؓ نے اس قرآنی حکم کو کما حقہ پورا کر دکھایا، اور آپ کے بعد تا قیامت ایمان والوں کے لیے اس حکم پر عمل کی اب یہی صورت ہے کہ وہ آپ ﷺ کی سنت و حدیث کی نصرت و حفاظت فرمائیں۔

سنتِ رسول کی حفاظت کرنے والوں کو آپ ﷺ نے جنت کی بشارت بھی سنائی ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ))

''جس شخص نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔''(۱)

سنت کی نصرت و حفاظت کے بارے ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں:

((عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ یَقُوْلُ: نَضَّرَ اللّٰهُ اِمْرَءًا سَمِعَ مِنَّا شَیْئًا فَبَلَّغَهٗ کَمَا سَمِعَهٗ))

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے ہم سے کوئی بات [یعنی حدیث] سنی اور اسے اسی طرح آگے پہنچا دیا جس طرح سنا تھا۔''(۲)

سنتِ رسولؐ سے محبت و محافظت کی ایک اور مثال پر غور کریں:

علی بن ربیعہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ کے پاس ان کی سواری لائی گئی تا کہ وہ اس پر سوار ہوں، جب انہوں نے اپنا پاؤں رکاب میں رکھا تو کہا بسم اللہ، جب سواری کی پشت پر بیٹھ گئے تو کہا الحمدللہ پھر کہا: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ))

پھر تین مرتبہ الحمدللہ اور تین مرتبہ اللہ اکبر کہا، پھر یہ دعا پڑھی:

((سُبْحَانَكَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ))

''یا اللہ! تو پاک ہے، میں نے ہی اپنی جان پر ظلم کیا ہے، پس تو مجھے معاف فرما دے، کیونکہ تیرے علاوہ کوئی معاف کرنے والا اور گناہ بخشنے والا نہیں ہے۔''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ مسکرا پڑے۔ میں نے آپؓ سے مسکرانے کی وجہ پوچھی تو آپؓ نے کہا کہ

(۱) [ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنة واجتناب البدعة(ح۲۶۷۸)]

(۲) [ترمذی، کتاب العلم، باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع(ح۲۶۵۷)]

((رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ فَعَلَ کَمَا فَعَلْتُ ثُمَّ ضَحِكَ ......))[1]
میں نے اللہ کے رسول کو(سواری پر سوار ہوتے وقت) ایسا ہی کرتے دیکھا تھا جیسا کہ میں نے کیا ہے پھر آپ مسکرائے تو میں نے بھی آپؐ سے پوچھا کہ آپ کیوں مسکرائے ہیں تو آپؐ نے فرمایا، اس لیے کہ تمہارا رب اپنے بندے کی اس بات سے بڑا خوش ہوتا ہے جب وہ کہتا ہے: ''یااللہ! میرے گناہ معاف فرمادے۔ کیونکہ بندے کو معلوم ہے کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی گناہوں کو بخشنے پر قادر نہیں۔''

[9]......حضور نبی کریم ﷺ کی اَزواج اور آل سے محبت

آپ ﷺ سے محبت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپؐ کے اہل بیت سے بھی وعقیدت ومحبت رکھی جائے۔ جن عورتوں کو آپؐ سے شرفِ زوجیت حاصل ہوا، بلاتفریق آپ کی ان سب ازواجِ مطہرات سے عقیدت رکھی جائے کیونکہ وہ پیغمبرِ اسلام کے حبالۂ عقد میں آ گئی ہیں اور انہیں اللہ کی طرف سے اس امت کی ماؤں کا درجہ حاصل ہوگیا ہے اور ظاہر ہے کہ ماؤں کے اَدبِ واحترام کے منافی کوئی حرکت نہیں کی جاسکتی اور اگر کوئی بے وقوف سگی ماں کے اَدب واحترام کے منافی کوئی حرکت کر بیٹھے تو زیادہ سے زیادہ اسے گستاخ، گنہگار اور نافرمان ہی کہا جاسکتا ہے لیکن اس امت کی روحانی ماؤں یعنی آنحضرت کی ازواجِ مطہرات کی شان کے منافی بات کرنے والا گستاخ ہی نہیں بلکہ اس کا ایمان ضائع ہونے کا بھی شدید خطرہ ہے۔

قرآن مجید میں آنحضرت ﷺ کے اہلِ بیت کی فضیلت اس طرح بیان ہوئی ہے:

﴿ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا﴾[الاحزاب:۳۳]

''اے نبی کے اہل بیت! اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ وہ تم سے (ہر قسم کی) گندگی کو دور کردے اور تمہیں خوب پاک کردے۔''

اس آیت میں اہلِ بیت کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ ہے: ''اہلِ خانہ، یا گھر والے''۔ اور ظاہر ہے آدمی کے اہل خانہ میں اس کی بیوی اور بچے دونوں شامل ہوتے ہیں، لہٰذا یہاں اہلِ بیت کے مفہوم میں آنحضرت ﷺ کی تمام بیویاں اور بچے بھی شامل ہیں۔ بعض لوگ اس آیت سے صرف رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ہی مراد لیتے ہیں جبکہ بعض اس سے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، اور ان کے دونوں بیٹے حضرت

(۱) [ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب مایقول الرجل اذا رکب(ح۲۵۹۹) احمد(ج۱ ص۹۷) ترمذی(ح۳۱٤٦)]

حسنؓ و حسینؓ مراد لیتے ہیں اور آنحضرت ﷺ کی باقی اولاد اور بعض بیویوں کو اس سے خارج قرار دیتے ہیں مگر یہ دو انتہائیں ہیں۔ اسی لیے جمہور اہلسنت کے نزدیک آنحضرت ﷺ کی تمام بیویاں اور ساری اَولاد آپؐ کے اہل بیت ہیں اور آپؐ سے قرابت کی وجہ سے امت کے لیے حد درجہ لائق احترام ہیں۔

علاوہ ازیں آپؐ نے اپنی امت کو اپنے لیے جو درود و سلام سکھائے ہیں ان میں سے بعض میں آپؐ نے اپنی اَزواج اور اولاد کو بھی شامل کیا ہے۔ آپ کی بیویوں کی تعداد گیارہ ہے جن کے نام یہ ہیں:

۱)......حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا
۲)......حضرت عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا
۳)......حضرت سودۃ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا
۴)......حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا
۵)......حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا
۶)......حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا
۷)......حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا
۸)......حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا
۹)......حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا
۱۰)......حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا
۱۱)......حضرت میمونہ بنت حارث الھلالیۃ رضی اللہ عنہا۔

آپ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں یعنی حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت کلثوم رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ ان کے علاوہ تین بیٹے بھی ہوئے مگر وہ بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ آپ کی بیٹیوں کے بارے میں بعض لوگوں کا اصرار ہے کہ آنحضرت کی سگی بیٹی صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھی۔ اس کے علاوہ آپ کی کوئی بیٹی نہ تھی۔ مگر یہ بات صریح طور پر غلط ہے۔ قرآن مجید میں آپ کی بیٹیوں کے بارے میں جمع کا صیغہ بولا گیا ہے [دیکھیے: سورۃ الاحزاب، آیت ۵۹] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ایک سے زیادہ بیٹیاں تھیں۔ پھر بہت سی احادیث و روایات میں بھی آپ کی باقی بیٹیوں کا ذکر ملتا ہے۔ اس لیے بلا تعصب آپ کی سب بیٹیوں سے ایک سی عقیدت رکھنی چاہیے۔

[10].....نبی کریم ﷺ کے جانثار اور وفادار صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت

جوشخص قرآن مجید کواللہ کی سچی کتاب تسلیم کرتا ہے، اسے یہ تسلیم کرنے میں بھی کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایمان کی خود گواہی دی ہے اوران صحابہؓ کے لیے اللہ نے اپنی رضامندی اور جنت کی خوشخبری بھی سنائی ہے، کیونکہ انہوں نے ہر تنگی اور مصیبت کے موقع پراللہ کے رسول ﷺ کا ساتھ دیا۔ بطورِ مثال چند آیات اور صحیح اَحادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱)......﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴾[سورة الانفال:٧٤]

''جولوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اوراللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد پہنچائی۔یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کے لیے [اللہ کی طرف سے] بخشش ہے اورعزت کی روزی ہے۔''

○ اللہ کے رسول کی زندگی میں آپؐ پرایمان لانے کے بعد ہجرت اور جہاد کرنے والوں میں وہ سب صحابہؓ شامل ہیں جنہیں مہاجرین کہا جاتا ہے اورانہیں جگہ دینے والوں سے مراد مدینہ کے وہ صحابہؓ ہیں جنہیں انصار[یعنی مددگار] کہا جاتا ہے۔گویا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اِن تمام صحابہ کے ایمان اور سچائی کی خود گواہی دے دی ہے۔کیا اب کسی مسلمان کے لیے ان صحابہؓ کے ایمان پر شک کی گنجائش رہ جاتی ہے!

۲)......﴿ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴾

''اور جو مہاجرین اورانصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے اوراللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اوران میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''[سورة التوبة:١٠٠]

○ اس آیت میں تین گروہوں کا ذکر ہے:ایک مہاجرین کا، جنہوں نے دین وایمان کی خاطر مال ودولت اور گھر بار کی قربانیاں دیتے ہوئے ہجرت کی اور دوسرا انصار کا جنہوں نے ہجرت مدینہ کے موقع پر ان مہاجرین کی دل کھول کر مدد کی اور تیسرا وہ گروہ ہے جوان صحابہ کے بعد آیا۔بعض اہل علم کے نزدیک یہ

تیسرا گروہ تابعین کا ہے جبکہ بعض کے نزدیک اس تیسرے گروہ میں قیامت تک آنے والا ہر وہ مسلمان شامل ہے جو ان صحابہؓ سے محبت رکھتا اور ان کے نقش قدم پر چلتا ہوا فوت ہوا۔

اس آیت سے جہاں تک صحابہ کا تعلق ہے تو ان کے بارے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر یہ شہادت دے دی کہ ''اللہ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ سب اللہ سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کر رکھیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

ظاہر ہے ہیشگی کی جنت تب ہی مل سکتی تھی جب صحابہ ایمان کی حالت میں فوت ہوتے۔ اگر وہ ایمان کی حالت پر فوت نہ ہوتے تو ان کے بارے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس میں کبھی یہ اعلان نہ فرماتے کہ وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اس آیت سے ان لوگوں کی غلط فہمی بھی دور ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ ایمان تو صدق دل سے لائے تھے مگر نبی ؐ کی وفات کے بعد وہ مرتد ہو گئے تھے۔ معاذ اللہ!

۳)......﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [سورۃ الحشر: ۹،۸]

''(فے کا مال) ان مہاجر مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے نکال دیے گئے ہیں، وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔ اور (یہ مال ان کے لیے ہے) جنہوں نے اس گھر (یعنی مدینہ) میں اور ایمان لانے میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے اور جو اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو (بات یہ ہے کہ) جو بھی اپنے نفس کے بخل سے بچالیا گیا وہی کامیاب (اور بامراد) ہے۔''

○ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کے صحابہ کے ایمان کی سچائی کا اعلان کیا ہے۔

٤)......﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ [سورۃ الفتح: ۱۸]

''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوگیا جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کررہے تھے۔ان کے دلوں میں جوتھا اسے اللہ نے معلوم کرلیا اوران پر اطمینان نازل فرمایا اورانہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔''

○ درخت تلے حضورؐ سے بیعت کرنے والے یہ کون سے ایمان والے تھے جن سے اللہ خوش ہوگیا؟ ظاہر ہے یہ آپؐ کے صحابہؓ ہی تھے،جن کے ایمانی جذبہ اوردینی خدمات سے اللہ تعالیٰ خوش ہوگیا حتیٰ کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کی طرف وحی کردی کہ ان صحابہ کے لیے یہ اعلان فرمادیں:

((لَایَدْخُلُ النَّارَاِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنْ اَصْحَابِ الشَّجَرَۃِ اَحَدٌ مِّنَ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا تَحْتَھَا))

''جن لوگوں نے درخت کے نیچے اللہ کے رسول کے ہاتھ بیعت کی تھی،ان میں سے کوئی ایک بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔ان شاءاللہ!''[١]

٥)......((عَنْ عِمْرَانِ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ:خَیْرُکُمْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ))

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''تم (مسلمانوں) میں سے سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو میرے زمانے میں ہیں،پھر وہ ہیں جو ان کے بعد کے زمانے میں آئیں گے پھر وہ ہیں جو ان کے بھی بعد کے زمانے میں آئیں گے۔''[٢]

○ اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے کے مسلمانوں کو بعد میں آنے والے تمام مسلمانوں سے بہتر قرار دیا ہے اوراس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جو مسلمان تھے،وہ صحابہ ہی تھے۔گویا صحابہ کے خیرالقرون ہونے کی خود آنحضرتؐ نے گواہی دے دی۔

٦)......((عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍقَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ:لَاتَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْاَنَّ اَحَدَکُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَھَبًا مَابَلَغَ مُدَّ اَحَدِھِمْ وَلَانَصِیْفَہٗ))

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''میرے صحابہ کو گالی نہ دو،اگر تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا صدقہ کردے تو وہ صحابہ میں سے کسی صحابی کے ایک آدھ مد [یعنی چند چھٹانک] کیے ہوئے صدقہ کے اَجر کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔''[٣]

(١) [صحیح مسلم ،کتاب فضائل من اصحاب الشجرۃ(ح٢٤٩٦)]

(٢) [صحیح بخاری ،کتاب الشھادات،باب لایشھدعلی...(ح٢٦٥١)مسلم،کتاب فضائل الصحابۃ(٢٥٣٣)]

(٣) [صحیح بخاری،کتاب فضائل اصحاب النبی (ح٣٦٧٣) مسلم ،ایضا(ح٢٥٤٠)]ایک روایت میں ہے: لَاتَسُبُّوْا اَحَدًامِنْ اَصْحَابِیْ......''میرے صحابہ میں سے کسی صحابی کو گالی نہ دو۔''[ایضاصحیح مسلم(ح٢٥٤١)]

۷)......((عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ: آيَةُ الْإِيْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ وَآيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُهُمْ))
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انصاری صحابہ سے محبت رکھنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔''(۱)

○ اس حدیث کے باوجود کسی صحابی سے کوئی شخص اگر بغض رکھتا ہے تو وہ اپنے بارے خود ہی فیصلہ کر لے!

۸)......جنگ بدر میں تین سو سے زیادہ صحابہ شریک ہوئے۔ آپؐ نے ان سب کے بارے میں جنت کی بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ))

''تم جو چاہو عمل کرو، تحقیق تمہارے لیے جنت واجب ہو چکی ہے۔''(۲)

صحابہ کرامؓ کے ایمان وتقوٰی اور مقام ومرتبہ کے حوالے سے ہم نے صرف چند آیات اور احادیث ذکر کی ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ صحابہؓ کے ایمان واخلاص کے بارے بے شمار دلائل موجود ہیں۔ اگر تعصب کی عینک اُتار کر ان چند دلائل ہی کا مطالعہ کر لیا جائے تو ان کے صاحب ایمان اور جنتی ہونے پر شرح صدر ممکن ہے اور اگر متعصبانہ ذہنیت ہو تو پھر ہزاروں دلائل بھی انسان کو قائل نہیں کر سکتے۔ اللہ ہمیں اپنے حبیبؐ کے محبوب صحابہؓ سے بھی محبت کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

[11]......حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے نفرت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ جو لوگ آپؐ یا آپؐ کے دین یا آپؐ کے صحابہؓ وغیرہ سے حسد وکینہ اور بغض وعداوت رکھتے ہیں، ہمیں بھی ان کے ساتھ نفرت اور بغض وعداوت ہی رکھنی چاہیے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے رسولؐ سے محبت کا دعوٰی بھی کرے اور ساتھ ہی اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے محبت بھی رکھے تو ایسا شخص اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھنے والوں کے بارے یہ کہا گیا ہے کہ:

(۱) [صحيح بخاری، كتاب مناقب الانصار، باب حب الانصار من الايمان (ح ۳۷۸٤) صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الدليل على ان حب الانصار و على من الايمان]

(۲) [صحيح بخاری، كتاب المغازی، باب فضل من شهد بدرا (ح ۳۹۸۳)]

﴿ لَاتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ ﴾[المجادلة:۲۲]

''اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والوں کو آپ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والوں سے محبت رکھتے ہوئے ہرگز نہ پائیں گے، خواہ وہ [مخالفین] ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے قبیلے کے عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔[پھر ان ایمان والوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا] یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کو لکھ دیا ہے۔''

معلوم ہوا کہ جس دل میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت ہو، اس دل میں پھر اللہ اور اس کے رسولؐ کے کھلے دشمنوں سے محبت نہیں ہو سکتی۔ اللہ ہمیں اپنا اور اپنے حبیب کا سچا محب بنا دے، اور آپ کی محبت پر دنیا جہاں کی ہر چیز قربان کرنے کا سچا جذبہ بھی عطا کر دے، آمین یارب العالمین!

[12]......نبی کریم ﷺ سے عقیدت واحترام

آپ ﷺ سے محبت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ آپؐ سے گہری عقیدت رکھی جائے اور آپ کا حد درجہ احترام کیا جائے۔ اپنے قول وفعل سے کوئی ایسا اقدام نہ کیا جائے جو آپ ﷺ کے احترام کے منافی ہو۔ کوئی ایسی حرکت نہ کی جائے جس سے آپ کو اذیت پہنچے۔ ایک آدمی دنیا میں اپنے دوستوں، عزیزوں، بزرگوں اور والدین وغیرہ کو جتنا احترام دے سکتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ اس سے بھی کہیں زیادہ احترام کے لائق ہیں حتی کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں اونچی آواز سے بات کرنے کو بھی اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں کسی مسئلہ پر تکرار شروع ہو گئی اور وہ اونچی اونچی بولنے لگے جبکہ اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس ہی تشریف فرما تھے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَاتَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ ﴾[سورة الحجرات:۲]

''اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو اور نہ نبیؐ سے ایسے اونچی آواز سے

بات کرو جیسا کہ آپس میں تم ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں [ایسا نہ ہو کہ] تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو!"(۱)

اسی طرح ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ دوپہر کو آرام فرما رہے تھے کہ کچھ گنوار [اعرابی، دیہاتی] قسم کے لوگ جو قبیلہ بنوتمیم سے تعلق رکھتے تھے، آئے اور آپ ﷺ کے حجرے سے باہر کھڑے ہوکر عامیانہ انداز میں یا محمدؐ!...... یا محمدؐ!...... کہہ کر آپ ﷺ کو پکارنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ناشائستہ حرکت پر ان کی مذمت کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾[سورة الحجرات: ٤]

"جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر [بالکل] بے عقل ہیں۔"(۲)

اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں جہاں آپؐ پر صدقِ دل سے ایمان لانے اور آپؐ پر جان نثار کرنے والے صحابہ موجود تھے، وہاں کچھ ایسے منافق اور بدطینت لوگ بھی موجود تھے جو ہمیشہ اس موقع کی تلاش میں رہتے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے استہزاء کریں، طنز و تشنیع اور پھبتیاں کسیں، آپ کی تعلیمات و فرمودات کا مذاق اڑائیں اور اپنے قول و فعل سے آپ کو اذیت پہنچائیں۔ ایسے ہی ایک موقع پر جب انہوں نے ازراہِ مذاق آپ کے اَدب و احترام کے منافی ایک بات کہی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾[سورة التوبة: ٦١]

"ان میں سے وہ بھی ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کان کا کچا ہے، آپ کہہ دیجیے کہ وہ کان تمہارے بھلے کے لیے ہے۔ وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور مسلمانوں کی بات کا یقین کرتا ہے اور تم میں سے جو اہلِ ایمان ہیں، یہ ان کے لیے رحمت ہے۔ رسول اللہ کو جو لوگ ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

یہی بات ایک اور آیت میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

(۱) [صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (ح ٤٨٤٥)]

(۲) [مسند احمد (ج ۳ ص ٤٨٨، ج ٦ ص ٣٩٤]

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا﴾

''جولوگ اللہ اوراس کے رسول کوایذا دیتے ہیں ان پر دنیااورآخرت میں اللہ کی پھٹکار ہےاوران کے لیےنہایت رسواکن عذاب ہیں۔'' [سورۃ الاحزاب:۵۷]

آپ کی رحلت کے بعداُدب واحترام کی صورت:

گزشتہ آیات واحادیث میں آپ ﷺ کے ادب واحترام اورعزت وتکریم کے حوالے سے جوکچھ بیان ہواہے،اس کاتعلق اگرچہ آپ ﷺ کی حیات طیبہ سے تھااوراس کے مخاطب بھی وہ لوگ تھے جوآپ کے دور میں موجود تھے مگرآپ ﷺ کی رحلت کے بعد بھی ان آیات واحادیث کی معنویت باقی ہےاوروہ اس طرح کہ جب بھی آپ ﷺ کاذکرہو،نہایت اَدب واحترام سے آپ ﷺ کانام لیاجائے،آپ ﷺ کانام لیتے یاسنتے وقت آپ ﷺ پردرودوسلام پڑھاجائے،آپ ﷺ کی احادیث سنائی جائیں توانہیں ہمہ تن گوش ہوکرسناجائے،آپ ﷺ کےفرمودات واحکام اگرطبیعت پرگراں گزریں،تب بھی ان سے اعراض نہ کیاجائے۔

یہ تو ہے آپ ﷺ کاادب واحترام۔اوراگرآپ ﷺ کی احادیث سن کرسینے میں انقباض ہو،آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کامطالعہ نفس پرشاق گزرے،آپ ﷺ کی سنتوں اورمحبوب اَداؤں کواپنانابوجھ لگےتو سمجھ لیجیے کہ یہ سب باتیں آپ ﷺ کےعزت واحترام کے بالکل منافی ہیں۔

آپ ﷺ کے ادب واحترام اورعزت وتکریم کےسلسلہ میں یہ بات بھی یادرہے کہ کوئی ایساعمل نہ کیا جائے جوآپ ﷺ کےاحترام کی حدود سےتجاوزکرجائے مثلاًاگرکوئی شخص آپ ﷺ کےادب واحترام کے پیش نظرآپ ﷺ کی عبادت شروع کردے یاآپ ﷺ کی قبرمبارک کے سامنے سجدہ ریزہوجائے تو ظاہرہےاس کایہ عمل انتہائی خطرناک ہے۔یہودونصارٰی اپنے انبیاء کے بارے میں اسی غلط فہمی کاشکار ہوئےاورانہوں نے اللہ کی عبادت کے ساتھ اپنے نبیوں کی بھی عبادت شروع کردی اوراپنے نبیوں کی قبروں کوسجدہ گاہ بنالیا۔اسی لیے آپ ﷺ نےفرمایا:

((لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ))

''مجھے میرے مرتبے سے زیادہ نہ بڑھاؤجیسےعیسٰی بن مریمؑ کوعیسائیوں نے ان کے مرتبے سے زیادہ

بڑھادیا۔[یعنی انہیں رسول کی بجائے اللہ کا بیٹا اوراس کی عبادت میں شریک بنادیا] میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، لہٰذا تم میرے بارے میں یہی کہو کہ میں اللہ کا بندہ اوراس کا رسول ہوں۔"(۱)

آپ ﷺ کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا:

اللہ کے رسول ﷺ پر صدقِ دل سے ایمان لاکر جس طرح قلبی محبت ضروری ہے اسی طرح آپ ﷺ کی سنتوں پر عمل کرکے آپ ﷺ سے ظاہری محبت کا ثبوت دینا بھی لازمی ہے، مگر افسوس کہ اللہ کے رسول ﷺ سے محبت اور آپ کی سنت پر عمل کے جذبے سے بعض لوگ ایسے اعمال بھی بجالاتے ہیں جن کا سنت سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسی طرح کا ایک عمل آنحضرت ﷺ کا نامِ نامی سن کر انگوٹھے چومنا بھی ہے۔ اس مسئلہ میں میری تحقیق یہ ہے کہ کوئی ایسی صحیح حدیث موجود نہیں جس کے پیش نظر ایسا کرنا باعثِ ثواب قرار دیا جاسکتا ہو بلکہ اس سلسلہ میں جتنی بھی روایات ہیں وہ سب ضعیف اور ناقابل حجت ہیں۔ فقہ حنفی کی ایک معتبر کتاب ردالمحتار المعروف به فتاوٰی شامی میں علامہ ابن عابدین شامی حنفیؒ فرماتے ہیں کہ

((لم یصح فی المرفوع من کل هذاشیء))[ج۱ص۲۹۳]

"اس سلسلہ میں جتنی بھی احادیث مروی ہیں، ان میں سے کوئی بھی صحیح ثابت نہیں ہے۔"

ماضی قریب کے ایک مشہور یمنی عالم محمد بن علی الشوکانی نے بھی انگوٹھے چومنے والی روایت کو اپنی کتاب الفوائدالمجموعة فی الاحادیث الموضوعة میں ضعیف قرار دیا ہے۔



(۱) [صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: واذکرفی الکتاب مریم......(ح۳٤٤٥)]

[13]...... گستاخِ رسولؐ کون؟!

اللہ کے رسول ﷺ سے گہری محبت، سچی عقیدت اور جذباتی وابستگی ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ جو شخص سچے دل سے آپ ﷺ پر ایمان لاتا ہے اس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ آپ کی شان میں کسی قسم کی بے اَدبی اور گستاخی کا مظاہرہ کرے گا بلکہ وہ اپنی معلومات کی حد تک آپ کی ہر سنت پر عمل کی پوری کوشش کرتا ہے مگر افسوس کہ ہمارے ہاں مسلکی تعصّبات کی وجہ سے لوگ کسی چھوٹے سے مسئلہ کی وجہ سے بلا سوچے سمجھے فوراً ایک دوسرے کو گستاخِ رسول قرار دینے لگتے ہیں۔ یہ رویہ درست نہیں!

دراصل ہر شخص اپنے مبلغِ علم کی رو سے یہ فیصلہ کرتا ہے کہ فلاں فلاں امور اللہ کے رسول ﷺ کی عقیدت واحترام کا حصہ ہیں اور فلاں فلاں امور آپ کی عقیدت واحترام کے منافی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز جسے ایک شخص اپنے نزدیک حد درجہ قابلِ احترام سمجھتا ہے وہی چیز دوسرے کے نزدیک آپ ﷺ کے اَدب و احترام ہی کے منافی ہو مثلاً ایک شخص روضۂ رسول کی طرف منہ کر کے دعا کرنا حضور ﷺ کی عقیدت کا حصہ سمجھتا ہو جبکہ دوسرے کے نزدیک ایسا کرنا شرک کا شبہ پیدا کرنے کی وجہ سے درست نہ ہو!

اسی طرح ہو سکتا ہے کہ ایک چیز ایک شخص کے نزدیک آپ ﷺ کی عقیدت واحترام کے لیے لازمی ہو جبکہ دوسرے کے نزدیک وہی چیز بدعت ہو مثلاً ایک شخص اذان سے پہلے آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر درود پڑھنا یا آپ ﷺ کا نام نامی سن کر انگوٹھے چومنا آپ کی محبت کا حصہ سمجھتا ہو جبکہ دوسرے کے نزدیک یہی عمل اس لیے بدعت ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ اور آپؐ کے صحابہ سے اس بارے کوئی حتمی ثبوت نہیں ملتا!

اسی طرح ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کے نعلین شریفین کی حفاظت پر ایک شخص اس لیے جان کی بازی لگا دے کہ یہ آپ ﷺ کے نعلین مبارک ہیں جبکہ دوسرا اس لیے اس موضوع پر بات کرنا بھی سعیِ لاحاصل سمجھتا ہو کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ واقعی یہ اللہ کے رسول ﷺ کے نعلین ہیں۔

اسی پر ان تمام مسائل کو قیاس کر لینا چاہیے جن کے کرنے یا نہ کرنے پر ایک مسلک کے لوگ دوسرے مسلک کے لوگوں کو گستاخِ رسولؐ قرار دے دیتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ان امور کے کرنے یا نہ کرنے میں کسی فریق کے دل میں یہ بات نہیں ہوتی کہ وہ معاذ اللہ آنحضرت ﷺ سے چڑ، یا بغض وعداوت کی

وجہ سے یا اس کے برعکس آپ کو اللہ کی عبادت میں شریک سمجھتے ہوئے ایسا کر رہا ہے۔ نعوذ باللہ ایک مسلمان قصداً ان میں سے کسی بات کا ارتکاب نہیں کر سکتا اور اگر وہ کرے تو اس کا ایمان ہی باقی نہیں رہتا......!!

اوپر ہم نے جن مسائل کی نشاندہی کی ہے، ان کا دارومدار عام طور پر کسی آیت یا حدیث سے استنباط کرنے یا کسی حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے پر ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک ایسے مسائل میں کسی فریق پر فتویٰ لگانے یا اسے گستاخِ رسول قرار دینے کی بجائے درست رویہ یہ ہے کہ خود بھی ان اختلافی مسائل میں مزید تحقیق کی جائے اور ایک دوسرے کو بھی پیار اور محبت کی فضا قائم رکھتے ہوئے دعوتِ تحقیق دی جائے اور جب کسی کے لیے حق واضح ہو جائے تو وہ دوسروں کی پروا کیے بغیر کم از کم اپنے حد تک اس پر عمل شروع کر دے اور دوسرے کے بارے میں یہی رائے قائم کرے کہ وہ بھی محبِّ رسول ہے مگر اس مسئلہ میں وہ غلط فہمی یا کم علمی کا شکار ہے۔

جس طرح کسی کی کم علمی یا غلط فہمی کی وجہ سے اس کے محبِ رسول ہونے پر شک درست نہیں، اسی طرح کسی مسئلہ میں جانتے بوجھتے اللہ کے رسول ﷺ کے کسی حکم کی مخالفت کا ارتکاب کرنے والے پر بھی گستاخ رسول کا لیبل چسپاں نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ہو سکتا ہے وہ ہم سے زیادہ محبِ رسول ہے اور اپنی خواہشات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اطاعتِ رسولؐ میں کوتاہی کا مرتکب ہوا ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں عبداللہ نامی ایک شخص تھا جسے حمار (گدھا) کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ وہ شخص شراب کی حرمت کے باوجود شراب پی لیتا۔ اسے کئی مرتبہ اس جرم کی سزا بھی دی گئی مگر اس سے پھر اس جرم کا ارتکاب ہو جاتا۔ ایسے ہی ایک موقع پر جب اسے شراب پینے کے جرم میں کوڑے لگائے گئے تو حاضرین میں سے کسی شخص نے غصہ میں آ کر کہا:

((اَللّٰھُمَّ الْعَنْہُ مَا اَکْثَرَ مَا یُؤْتٰی بِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ: لَا تَلْعَنُوْہُ فَوَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ اَنَّہٗ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ))

''اللہ اس پر لعنت کرے، کتنی بار اسے اس جرم میں لایا گیا ہے!''

تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم! جہاں تک میری معلومات ہیں، یہ شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرنے والا ہے......!''(۱)

بظاہر یہ شرابی تھا اور اس جرم میں کئی مرتبہ رنگے ہاتھوں پکڑا اور سزا بھی دیا گیا مگر اس کے باوجود اس کے دل میں اللہ کے رسول ﷺ کی محبت موجود تھی ں کی گواہی خود نبی اکرم ﷺ نے دی ہے......!

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب مایکرہ من لعن شارب الخمر وانہ لیس بخارج من الملۃ (ح۶۷۸۰)]

بَابُ سوم:

نبی کریم ﷺ کی اطاعت واتباع

[1].....اطاعتِ رسولؐ کے بارے چند اُصولی باتیں

نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے اور آپؐ سے گہری عقیدت و محبت رکھنے کے بعد اصل چیز آپ ﷺ کی اطاعت واتباع ہے۔ آپؐ چونکہ اللہ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اس لیے آپ کی اطاعت محض آپ ﷺ کی ذات ہی کی اتباع نہیں ہے بلکہ یہ اس پیغام کی اطاعت ہے جو بحیثیت نبیؐ اللہ کی طرف سے آپؐ پر اتارا گیا۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی نافرمانی بھی اللہ ہی کی نافرمانی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾[النساء:۸۰]

''جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی، اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی اور جس نے رسول کی اطاعت سے منہ پھیرا [اس کا وبال اسی پر ہوگا] ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لیے اُسوۂ حسنہ بنایا ہے تاکہ لوگ اللہ کے اَحکام کی پیروی میں اسی طرح زندگی بسر کریں جس طرح آپؐ نے زندگی بسر کی۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات طیبہ میں وہ تمام حالات پیدا کردیے جن کا کسی بھی انسان کو انفرادی یا اِجتماعی طور پر سامنا ہوسکتا تھا اور آپ کو ایسی جامع اور اُصولی تعلیمات سے نوازا جن کی روشنی میں تا قیامت پیش آمدہ مسائل میں رہنمائی لی جاسکتی ہے۔ آپ کی اُصولی تعلیمات اور اُسوہ حسنہ کو اگر یکجا کرلیا جائے تو ہمارے سامنے ایک ایسا نقشہ تیار ہوجاتا ہے جس کی روشنی میں دنیا کا ہر انسان خواہ وہ کسی بھی حیثیت میں ہو، اپنی سیرت کی تعمیر کرسکتا ہے۔ تعمیر سیرت ہی نہیں بلکہ وہ اللہ کی نگاہ میں محبوب بندہ اور اس کی جنت کا مستحق بھی بن جاتا ہے اور اگر کوئی شخص آپ کے اُسوۂ حسنہ سے اعراض کرے تو وہ دنیا میں بھی ناکام ہوگا اور روزِ آخرت بھی نقصان اٹھانے والوں میں شامل ہوگا۔

ایک انسان کو اپنی زندگی میں جن مادی مسائل سے واسطہ پڑتا ہے ان میں عملی نمونہ وہی پیش کر سکتا ہے جو خود بھی انسان ہی کی جنس سے ہو۔ اور جو خود انسان کی جنس سے نہ ہو، اس کی عملی زندگی کو تمام انسانوں کے لیے نمونہ بنا دیا جانا بالکل غیر مفید ہے مثلاً فرشتے نوری مخلوق ہیں۔ انہیں نہ کھانے پینے کی حاجت ہے نہ شادی بیاہ کی۔ نہ معاشی مسائل کا سامنا ہے اور نہ جسمانی عوارض کا۔ اب ظاہر ہے جسے ان مادی ونفسانی خواہشات کا مسئلہ ہی نہیں، وہ اُس مخلوق کے لیے عملی نمونہ کیسے بن سکتی ہے جسے قدم قدم پر اِنہی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ اس نے ہماری رہنمائی کے لیے ہماری جنس ہی سے ایک جامع کمالات شخصیت کا انتخاب کیا اور اسے نبی ورسول کا درجہ دے کر ہمارے لیے اُسوہ ونمونہ بنا دیا۔

اطاعت واتباع کے لحاظ سے نبی کریمؐ کے اُسوہ[نمونہ/عملی زندگی] کے مختلف درجات:

حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت واتباع اُمت مسلمہ کے لیے مجموعی طور پر فرضیت کا درجہ رکھتی ہے۔ البتہ بعض معاملات میں آپؐ نے اپنی اتباع کو فرضیت کی بجائے مستحب یا مباح کے درجہ میں رکھا اور چند ایک صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں آپؐ کے عمل کو آپؐ ہی کے ساتھ خاص کرتے ہوئے امت کو ان صورتوں میں آپؐ کے عمل کی پیروی سے روک دیا گیا۔ اس لحاظ سے آپؐ کے اُسوہ کی چار صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں: (۱) فرض[واجب] (۲) مستحب[سنت] (۳) مباح[جائز] اور (۴) حرام[ممنوع]۔

مجموعی طور پر آپؐ کے اُسوہ کو اپنانے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اس لیے آپؐ کا ہر قول اور ہر فعل ہمارے لیے واجب الاتباع ہے، ماسوائے ان اَقوال اور اَفعال کے جن کی اتباع کو آپؐ نے ہمارے لیے لازمی قرار نہیں دیا۔ اس کی آگے دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اگر ان اَقوال واَفعال کی پیروی کرنے کو پیروی نہ کرنے پر ترجیح دی گئی ہو یا ان کی پیروی کو پسندیدہ سمجھا گیا ہو تو پھر ان کی پیروی مستحب کہلائے گی۔ مستحب ایسے عمل کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے پر ثواب ہو اور نہ کرنے پر گناہ نہ ہو مثلاً نماز تہجد اور دیگر نوافل وغیرہ۔

یاد رہے کہ فقہی اصطلاح میں سنت، نفل، مستحب، مندوب، تطوع، احسان، فضیلت سبھی ایک ہی مفہوم میں استعمال ہوتے ہیں جبکہ محدثین کی اصطلاح میں سنت سے مراد ہر وہ قول اور فعل ہے جو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہو یا جو آپ کی موجودگی میں کیا گیا ہو اور آپؐ نے اس سے منع نہ کیا ہو۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر آپ نے اپنے کسی قول یا فعل کی اتباع پر ثواب یا عدم اتباع پر عذاب کا ذکر نہ

کیا ہو تو پھر وہ مباح کے درجہ میں ہے۔ مباح اسے کہتے ہیں جس کے کرنے پر ثواب نہ ہو اور نہ کرنے پر گناہ بھی نہ ہو، البتہ اگر کسی دینی جذبہ مثلاً نبیؐ سے محبت، دین کی خدمت وغیرہ کے پیش نظر اسے کیا یا چھوڑا جائے تو پھر اس نیت کی وجہ سے مباح کام پر بھی ثواب مل جاتا ہے۔

علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کے وہ اَقوال واَفعال بھی مباح کے درجہ میں شامل ہیں جنہیں آپ ﷺ نے بحیثیت بشر اَنجام دیا مثلاً چوبیس گھنٹوں میں سے مخصوص اَوقات پر کھانا پینا، دورانِ سفر مخصوص جگہ پر پڑاؤ کرنا، حلال غذاؤں اور ملبوسات میں سے مخصوص غذا اور مخصوص لباس کو زیادہ پسند کرنا......

یہ اور اس نوع کی دیگر چیزیں ایسی ہیں جن کا تعلق آپ کی بشری حیثیت سے ہے، نبویؐ حیثیت سے نہیں ہے۔ اس لیے ایسے امور میں آپ کی اطاعت واتباع امت پر لازم نہیں۔ لہذا یہ ضروری نہیں کہ ہم کھانے پینے کے حوالے سے یہ تحقیق کریں کہ آنحضرت ﷺ کن کن اَوقات میں کھانا کھاتے تھے، پھر انہی اَوقات میں بغیر کسی تقدیم وتاخیر کے اتنی ہی مرتبہ ہم کھانا کھائیں۔ اسی طرح ہم پر یہ بھی لازم نہیں کہ ہم یہ معلوم کریں کہ آنحضرت ﷺ حلال غذاؤں میں سے کس غذا کو زیادہ پسند کرتے تھے اور پھر ہم بھی اسے ہی ترجیح دیں۔ ہوسکتا ہے کہ آنحضرت کی طبیعت ایک چیز کو پسند کرتی ہو مگر کسی اور کی طبیعت اس چیز کو اتنا پسند نہ کرتی ہو۔ بشری طبائع اور حالات واَوقات کی عدمِ یکسانیت کی وجہ سے اس سلسلہ میں ہمارے لیے آسانی رکھی گئی ہے ورنہ امت مشقت میں مبتلا ہوسکتی تھی۔ چنانچہ ہمیں ایسے جامع اصول بتادیئے گئے ہیں جو ایک طرف مکان وزماں کی قید سے بالا ہیں تو دوسری طرف ان کی پیروی ہماری استطاعت سے باہر نہیں اور یہی اصلاً مطلوب ہے مثلاً کھانے پینے کے حوالے سے ہمیں ان اصولوں کی پیروی کا حکم دیا گیا:

(۱) حلال وحرام میں تمیز کرنا۔ (۲) کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔ (۳) کھانے کا عیب نہ نکالنا۔
(۴) دائیں ہاتھ سے کھانا۔ (۵) کھانے سے فراغت پر دعاءِ شکر پڑھنا وغیرہ۔

اسی طرح لباس، کاروبار، لین دین، اور دیگر معاملات کے سلسلہ میں ہمیں بنیادی اصول بتادیئے گئے۔

یاد رہے کہ نبوت کے بعد آنحضرت ﷺ کی اصل حیثیت نبی اور رسول کی ہے جبکہ آپ کی بشری حیثیت نبوی حیثیت کے تابع ہوکر ایسی ضم ہوگئی ہے کہ آپ کی بشری اور نبوی حیثیتوں میں فرق کرنا ہمارے لیے آسان نہ رہا۔ اس لیے آپؐ کے تمام اَقوال واَفعال کا مجموعی طور پر ہم نبویؐ حیثیت ہی سے مطالعہ کریں گے سوائے ان اَقوال واَفعال کے جہاں واضح ترین شہادت یا قوی ترین قرینہ سے یہ معلوم ہوجائے کہ آپ کا

فلاں قول یا فعل نبویؐ حیثیت سے مستثنیٰ ہے مثلاً آپؐ اپنے کسی قول وفعل کے بارے میں خود ہی یہ صراحت فرمادیں کہ وہ دین اور وحی نہیں یا قوی قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کا فلاں قول یا فعل 'وحی' کی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس سلسلہ میں ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

جب اللہ کے رسول ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ یہاں کے باغبان نر کھجور کا شگوفہ مادہ کھجور پر ڈالتے ہیں تاکہ پیداوار بڑھ جائے تو آپؐ نے ان سے کہا: یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم پہلے سے ایسا کررہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: میرا گمان ہے کہ اس طرح کرنے سے کوئی فائدہ نہیں [یعنی اگر تم ایسا نہ کرو تو میرے خیال میں بہتر ہوگا] چنانچہ لوگوں نے یہ عمل [یعنی تَـابِیُـرِ نَخل] چھوڑ دیا [مگر اس مرتبہ پیداوار کم ہوئی اور] لوگوں نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا:

((اِنْ كَانَ يَنْفَعُهُمْ ذٰلِكَ فَلْيَصْنَعُوْهُ فَاِنِّيْ اِنَّمَا ظَنَنْتُ ظَنًّا فَلَا تُؤَاخِذُوْنِيْ بِالظَّنِّ وَلٰكِنْ اِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللّٰهِ شَيْئًا فَخُذُوْا بِهٖ وَاِنِّيْ لَنْ اَكْذِبَ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ))

''اگر لوگوں کو اس طرح [تابیرِ نخل] کرنے سے فائدہ ہوتا ہے تو وہ ضرور فائدہ اٹھائیں، میں نے تو اندازے سے ایک بات کہی تھی، لہٰذا میرے اندازے اور گمان پر مبنی باتوں کو ضروری نہ سمجھو، ہاں البتہ جب میں اللہ کی طرف سے کچھ بیان کروں تو اس کو لازم پکڑو کیونکہ میں اللہ کی طرف ہرگز کوئی جھوٹ منسوب نہیں کرسکتا۔''[1]

یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ مسلم ہی کی اگلی دو روایات میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں:

((اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْا بِهٖ وَاِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيٍ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ)) وفی روایة: ((اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْيَاكُمْ))

''میں بھی تو ایک بشر ہوں، جب میں تمہیں تمہارے دین کے حوالے سے کوئی حکم دوں تو اسے لے لو، اور جب میں تمہیں اپنی رائے سے کوئی بات کہوں تو پھر میں بھی [تمہاری طرح] ایک بشر ہی ہوں۔''

دوسری روایت میں ہے: ''اور تم اپنے دنیوی معاملات زیادہ بہتر سمجھتے ہو۔''[2]

ان روایات میں پوری صراحت کے ساتھ آپؐ نے فرمادیا کہ جب میں نبیؐ کی حیثیت سے کوئی حکم دوں

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ماقاله شرعادون ماذکره من معایش الدنیاعلی سبیل الرأی (ح ۲۳٦۱)]

(۲) [صحیح مسلم (ح ۲۳٦۲ـ۲۳٦۳)]

تو اس پر عمل فرض ہے اور اگر بشری حیثیت سے کوئی بات کہوں تو پھر وہ فرض نہیں۔ اسی لیے اِن اَحادیث پر صحیح مسلم میں عنوان بندی کرنے والے اہلِ علم نے یہ عنوان قائم کیا ہے:

((بَابُ وُجُوبِ اِمْتِثَالِ مَا قَالَهُ شَرْعًا دُوْنَ مَاذَكَرَهُ مِنْ مَعَايِشِ الدُّنْيَا عَلٰى سَبِيْلِ الرَّأْيِ))

''اس چیز کا بیان کہ نبی کریمؐ نے شریعت کی حیثیت سے جو کچھ پیش کیا، اس کی اتباع واجب ہے اور دنیوی معاملات میں جسے آپؐ نے شریعت کی بجائے محض اپنی رائے سے بیان کیا، اس کی اتباع واجب نہیں۔''

اسی طرح بعض امور ایسے ہیں جو آنحضرت ﷺ ہی کے ساتھ خاص ہیں اور امت کو ان میں آپ کی اطاعت واتباع سے منع کر دیا گیا ہے مثلاً آپؐ کے لیے چار سے زائد شادیاں کرنے کی خصوصی اجازت دی گئی مگر امت کے لیے چار سے زائد بیویاں بیک وقت رکھنا منع کر دیا گیا۔ اسی طرح آپؐ کو بغیر حق مہر دیئے عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی مگر امت کے لیے یہ اجازت نہیں ہے۔

نبی کریم ﷺ کے خصائص کے حوالے سے دو باتیں یاد رہیں؛ ایک تو یہ کہ آپؐ کے ساتھ مخصوص کیے گئے معاملات کی تعداد اتنی زیادہ نہیں کہ وہ شمار سے باہر ہوں۔ اور دوسری بات یہ کہ جو امور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ مخصوص ہیں، ان کی قرآن وحدیث میں صراحت کر دی گئی ہے۔ اس لیے اللہ کے رسولؐ کے کسی بھی عمل کو آپؐ کے ساتھ خاص قرار دینے کا دعویٰ اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ قرآن وحدیث سے واضح طور پر اس کی دلیل نہ مل جائے۔ بعض لوگ بغیر کسی واضح دلیل کے جس چیز کو چاہتے ہیں اللہ کے رسولؐ، یا آپ کی ازواجِ مطہرات یا آپؐ کے بابرکت دور تک محدود اور خاص قرار دے دیتے ہیں۔ یہ رویہ سراسر غلط اور شریعت کی من مانی پیروی کے مترادف ہے۔

ان تمہیدی باتوں کے بعد اب ہم دین وشریعت کے مسائل میں حضور نبی کریم ﷺ کی اطاعت واتباع کی فرضیت اور ضرورت واہمیت پر دلائل کے ساتھ مزید روشنی ڈالیں گے۔



[2]......اطاعتِ رسول ﷺ قرآنِ مجید کی روشنی میں

دین وشریعت کے مسائل میں اللہ نے اپنے نبیؐ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے:

۱)......﴿یٰاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَاتَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾[الانفال: ۲۰]

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور بات سن لینے کے بعد اس سے منہ نہ موڑو۔''

۲)......﴿یٰاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَاتُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ﴾[محمد: ۳۳]

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کا کہا مانو [اور اطاعت سے منہ موڑ کر] اپنے عمل ضائع نہ کرو۔''

۳)......﴿قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ﴾[آل عمران: ۳۲]

''[اے نبیؐ! لوگوں سے] کہہ دیجیے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اگر لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت سے منہ موڑیں [تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ] اللہ یقیناً کافروں کو پسند نہیں کرتا۔''

٤)......﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾

''جو کچھ رسول تمہیں دے، وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روک دے، اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔'' [سورۃ الحشر: ۷]

۵)......﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾[النور: ۵٦]

''نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

٦)......﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا﴾[النساء: ۸۰]

''جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی، اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی اور جس نے رسول کی اطاعت سے منہ پھیرا [اس کا وبال اسی پر ہوگا] ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

۷)......﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی بھی جو تم میں سے صاحب امر ہیں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی بھی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہت بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی سب سے اچھا ہے۔'' [سورۃ النساء:۵۹]

۸)......﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ﴾ [سورۃ التوبہ: ٥٤]

''[اے محمدؐ!] کہہ دیجیے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور [میں] رسول کی اطاعت کرو اور اگر نہیں کرتے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ کے رسولؐ پر جس [ذمہ داری یعنی فریضہٗ رسالت] کا بوجھ ڈالا گیا ہے، وہ صرف اسی کا ذمہ دار ہے اور تم پر جس [فرض یعنی اطاعتِ رسولؐ] کا بوجھ ڈالا گیا ہے، اس کے ذمہ دار تم ہو۔''

○ ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے اپنے نبی ﷺ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے لیکن بعض لوگ نبی کریم ﷺ کی اطاعت کو قیامت تک کے لیے فرض تسلیم نہیں کرتے، بلکہ ان کے خیال میں نبی کریمؐ چونکہ ایک ریاست کے قائد وحکمران کی حیثیت بھی رکھتے تھے، اس لیے آپ کی اطاعت صرف ان لوگوں کے لیے فرض تھی جو آپ کی حکومت میں آپؐ کے ماتحت تھے۔ دوسرے لفظوں میں یہ لوگ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی اطاعت صرف آپؐ کے دور کے مسلمانوں کے لیے فرض تھی اور اب قیامت تک آنے والے مسلمانوں کے لیے آپ کی اطاعت کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ آپ کے بعد تا قیامت امت کے لیے صرف اس کی اطاعت فرض ہوگی جو آپ کی جگہ امت کا حکمران بنتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کے ہاں اللہ کے رسول کی اَحادیث ایک خاص دور کی تاریخ کی حیثیت تو رکھتی ہیں مگر دین اور وحیِ الٰہی کی حیثیت نہیں رکھتیں۔

لیکن ان کا یہ فلسفہ قطعی غلط اور انتہائی گمراہ کن ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اللہ کے رسول کی اطاعت قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لیے فرض نہیں تھی تو قرآن مجید میں تمام لوگوں کو مخاطب کرکے بار بار یہ حکم کیوں دیا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

اس اعتراض کے جواب میں یہ لوگ لغت، حدیث، تاریخ سب کچھ بالائے طاق رکھتے ہوئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مراد حاکم وقت ہی کی اطاعت ہے۔ حالانکہ اگر اس سے مراد

حاکم وقت ہی کی اطاعت ہے تو اللہ تعالیٰ نے ''رسول کی اطاعت کرو'' کی بجائے صاف الفاظ میں یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ''اللہ اور حاکم وقت کی اطاعت کرو''......؟!

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کے رسول کو حکومت تو مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد ملی جبکہ تیرہ سالہ مکی زندگی میں آپؐ نے قرآن کے علاوہ جو اَحکام دیے، صحابہ کرامؓ نے ان میں آپ کی پیروی پھر کیوں ضروری سمجھی؟ پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ آپ صرف حاکم وقت ہی نہ تھے بلکہ قرآن کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس ساری امت کے لیے معلم و مربی، شارح و شارع، جج و قاضی اور اُسوہ و نمونہ بھی بنایا تھا۔ اور آپؐ پر قرآن کے علاوہ وحی بھی نازل فرمائی تھی اور وہ علیحدہ وحی آج اَحادیث کی شکل میں ہمارے پاس موجود و محفوظ ہے۔ دلیل کے طور پر اَز راہِ اختصار قرآن کی صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے:

((وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ))[سورة النحل: ٤٤]

''اور [اے نبیؐ] ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر [قرآن] اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے اس چیز کو واضح کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔''

اس آیت سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱)......اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے نبی کو یہ منصب بھی عطا فرمایا تھا کہ جو قرآن آپؐ پر نازل ہوا ہے، آپ لوگوں کے لیے اس کی تشریح بھی کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے صرف یہ قرآن ہی امت کو نہیں دیا بلکہ اللہ کے حکم سے اس کی شرح کے طور پر اضافی اَحکام بھی دیے ہیں جو آپ کی حدیث اور سنت کہلاتے ہیں۔☆

۲)......یہ بات ہر شخص سمجھتا ہے کہ کتاب اور شرح بالکل ایک چیز نہیں ہوتی بلکہ شرح میں اصل کتاب سے اضافی معلومات بھی ہوتی ہیں۔ لہٰذا کتاب اللہ کے شارح کی حیثیت سے جو اضافی باتیں [یعنی قولی و عملی اَحادیث] آپؐ اپنی امت کو بتاتے وہ بھی اللہ کی منشا و مرضی کے مطابق ہوتیں۔ اس لیے کہ وحی کی روشنی میں آپ کی رہنمائی کی جاتی تھی جب کہ آپؐ کے علاوہ قرآن کے کسی اور مفسر و شارح کے بارے میں کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کی شرح و تبیین بھی اللہ کی منشا کے عین مطابق ہے۔

۳)......اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی شرح و تبیین لوگوں کی قطعی ضرورت تھی، اگر اس کے

☆......یہ اضافی اَحکام چونکہ وحی الٰہی کی روشنی میں طے پائے، اس لیے سورۃ القیامۃ میں ان کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾ [آیت ۱۹] ''پھر اس قرآن کی تبیین بھی ہمارے ذمہ ہے۔''

بغیر لوگوں کو دین سمجھ آ سکتا تھا تو پھر نبی کو شارح کا منصب تفویض کرنے کا کیا ضرورت تھی۔ اور جب آپؐ نے اللہ کے حکم سے قرآنی احکام کی تشریح و تبیین بھی فرمادی تو امت میں سے کسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ قرآن کو تو تسلیم کرے مگر قرآنی اَحکام کے سلسلہ میں جو تشریح آپؐ نے فرمائی ہے، اسے تسلیم کرنے سے انکار کردے۔ اگر قرآن کی تشریح و تبیین کے سلسلہ میں نبیؐ کی کوئی ضرورت نہ تھی تو پھر اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے ایک نبیؐ پر نازل کرنے کی زحمت آخر کیوں کی گئی۔ اس سے بہتر تھا کہ کسی پہاڑ پر قرآن رکھ دیا جاتا اور لوگوں سے کہہ دیا جاتا کہ وہاں سے اللہ کی کتاب اٹھالاؤ اور جسے جیسے یہ سمجھ آئے، وہ ویسے ہی اس پر عمل شروع کردے......!!

۴)......قرآن مجید میں نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہ جیسی عبادات کے بارے واضح طور پر حکم دیا گیا ہے، لیکن یہ عبادات کیسے بجالائی جائیں، ان کی توضیح اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک کہ عملی طور پر یہ کرکے دکھانہ دی جاتیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود دنیا میں لوگوں کے سامنے آکر یہ سب کچھ عملی طور پر کر کے نہیں دکھایا اور نہ ہی اللہ سے یہ توقع کرنی چاہیے الیتہ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ نے انسانوں ہی سے ایک مثالی شخصیت کا انتخاب کر کے اسے نبوت و رسالتؐ سے مشرف فرمایا، اس پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اپنی عبادت سے متعلقہ اَحکام کی تفصیل سے اسے آگاہ کر کے اس کے قول وفعل کو اُمت کے لیے دین بنا دیا۔ اب اگر کوئی شخص نبیؐ کے قول وفعل سے بے نیاز ہو کر اللہ کی کتاب کو پکڑے گا تو وہ اس کے ضروری اَحکام بجالانے میں سخت ناکام ثابت ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کا انکار کرنے والوں کے ہاں نمازوں کی تعداد اور رکعات کے بارے آج تک کوئی اتفاق رائے نہ ہوسکا، دین و شریعت کے باقی احکام کا مسئلہ تو بڑے دور کی بات ہے......! اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے، آمین!

جان بوجھ کر نبی کریمؐ کی اطاعت سے منہ پھیرنے والے مسلمان کی سزا:

۱)......﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾

''رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہوجائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔'' [سورۃ النور:۶۳]

۲)......﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ

حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾[سورة النساء:٦٥]

''[اے محمدؐ!] تمہارے رب کی قسم! لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے تمام اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں پھر جو فیصلہ آپ ان میں کر دیں، اس پر اپنے دلوں میں یہ کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ فرمانبرداری کے ساتھ اسے تسلیم کر لیں۔''

۳)...... حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ

((خَاصَمَ زُبَيْرٌ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ فِيْ شُرَيْجٍ مِنَ الْحَرَّةِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اِسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ اَرْسِلِ الْمَآءَ اِلٰى جَارِكَ فَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ: اِسْقِ يَا زُبَيْرُ ثُمَّ احْبِسِ الْمَآءَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَى الْجَدْرِ ثُمَّ اَرْسِلِ الْمَآءَ اِلٰى جَارِكَ وَاسْتَوْعَى النَّبِيُّ ﷺ لِلزُّبَيْرِ حَقَّهُ فِيْ صَرِيْحِ الْحُكْمِ حِيْنَ اَحْفَظَهُ الْاَنْصَارِيُّ وَكَانَ اَشَارَ عَلَيْهِمَا بِاَمْرٍ لَهُمَا فِيْهِ سَعَةٌ قَالَ الزُّبَيْرُ فَمَا اَحْسِبُ هٰذِهِ الْآيَاتِ اِلَّا نَزَلَتْ فِيْ ذٰلِكَ......))

''ان کے والد حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری [ثابت بن قیسؓ] کے درمیان مقامِ حرہ کی ایک نالی [کھال] کے بارے میں جھگڑا ہو گیا [کہ اس سے کون اپنے باغ کو پہلے سینچنے کا حق رکھتا ہے] نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ زبیر پہلے تم اپنے باغ کو پانی دو پھر اپنے اس پڑوسی کے لیے پانی چھوڑ دینا۔ اس پر اس انصاری صحابی نے کہا: اے اللہ کے رسولؐ! یہ فیصلہ اس لیے ہے کہ زبیرؓ آپ ﷺ کا پھوپھی زاد بھائی ہے؟ یہ سن کر آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا اور آپؐ نے فرمایا: زبیر! اپنے باغ [کھیت] کو پانی پلاؤ، پھر پانی روکے رکھو، جب وہ منڈیر تک پہنچ جائے تو پھر اس کے لیے پانی چھوڑو۔ [پہلے آنحضرت ﷺ نے انصاری کے ساتھ رعایت کی تھی مگر] انصاری کی اس بات کے بعد آپ ﷺ نے زبیر کو ان کا پورا حق دے دیا کیونکہ اس جھگڑے کا صریح فیصلہ یہی تھا۔ جبکہ پہلے آپ ﷺ نے ان دونوں کے لیے ایک ایسی راہ کی نشاندہی کی تھی جو دونوں کے حق میں تھی۔ حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت اسی سلسلہ میں نازل ہوئی تھی:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾[سورة النساء:٦٥]

''[اے محمدؐ!] تمہارے رب کی قسم! لوگ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے تمام اختلافات

میں آپ کو حاکم نہ مان لیں پھر جو فیصلہ آپ ان میں کر دیں، اس پر اپنے دلوں میں یہ کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ فرمانبرداری کے ساتھ اسے تسلیم کر لیں۔''(۱)

○ جب یہ جھگڑا نبی اکرم ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپؐ نے مصالحت کی کوشش کی اور ظاہر ہے مصالحت میں کچھ لو اور کچھ دو کا اصول چلتا ہے۔ اس حوالے سے انصاری صحابی فائدے میں تھا کہ زبیر تھوڑا بہت پانی استعمال کرنے کے بعد ان کے لیے پانی چھوڑ دیں گے اور وہ جب اپنے کھیت کو سینچ لیں گے تو زبیر دوبارہ اپنے باغ کو مکمل طور پر سینچے گا۔ مگر وہ انصاری صحابی الٹا یہ سمجھا کہ شاید آپؐ نے حضرت زبیرؓ کے لیے پہل اس لیے رکھی کہ وہ آپ کا عزیز ہے اور یہ خیال فوراً اس نے ظاہر بھی کر دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو اس کے اس رویے پر غصہ آیا چنانچہ آپؐ نے پھر مصالحت کی بجائے فیصلے [یعنی قضا] کی راہ اختیار کی اور یہ فیصلہ کیا کہ پانی زبیر کے کھیت کی طرف سے آ رہا ہے اور اس پر پہلا حق ان کا ہے۔ اس لیے زبیرؓ جب تک اپنا حق پورا نہیں کر لیتے وہ اگلے کھیت کے لیے پانی نہیں چھوڑیں گے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی حدیث، سنت اور فیصلے کے مقابلے میں ہم کسی چیز کو ترجیح نہ دیں، حتیٰ کہ اس کے متعلق کسی قسم کی بدگمانی بھی پیدا نہ کریں بلکہ دل و جان کے ساتھ آپ کی بات تسلیم کر لیں۔

یہ واقعہ اگرچہ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں پیش آیا مگر اس میں اُصولی طور پر جو بات کہہ دی گئی، وہ قیامت تک کے لیے ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جو حکم اور ارشاد فرما دیں اس سے سرمو انحراف نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس سے انحراف ایمان سے انحراف اور محرومی ہے۔

اطاعتِ رسولؐ اور منافقین کا رویہ:

۱)...... ﴿ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ﴾

''لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسولؐ پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت قبول کی ہے پھر [اس اقرار کے بعد] ان میں سے ایک گروہ [اطاعت سے] منہ موڑ لیتا ہے۔ ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں [کیونکہ] جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسولؐ ان کے باہمی معاملات کا فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک گروہ منہ موڑنے والا بن جاتا ہے۔'' [سورۃ النور: ۴۷، ۴۸]

(۱) [صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب فی قولہ: فلا وربك لا يؤمنون...... (ح ٤٥٨٥)]

۲)...... ﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴾ [سورة النساء: ٦١]

''جب کبھی ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے اور آؤ رسول کی طرف تو ان منافقوں کو آپ دیکھتے ہو کہ آپ کی طرف آنے سے یہ رک جاتے ہیں۔''

اطاعت رسولؐ اور مومنین کا رویہ:

۱)...... ﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [سورة النور: ٥١]

''ایمان لانے والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تا کہ اللہ کا رسول ان کے معاملات کا فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا۔ ایسے لوگ ہی کامیاب ہونے والے ہیں۔''

۲)...... ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ [سورة الاحزاب: ٣٦]

''کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔''

اطاعت رسولؐ کا صلہ، دنیا اور آخرت میں:

۱)...... ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾ [النور: ٥٢]

''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں، اللہ کا خوف رکھیں اور اس کے عذاب سے ڈریں، وہی کامیابی پانے والے ہیں۔''

۲)...... ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ [سورة الاحزاب: ٧١]

''جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔''

۳)...... ﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ [سورة آل عمران: ١٣٢]

''اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

٤)......﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾[سورة آل عمران: ٣١]

''[اے نبیؐ! لوگوں سے] کہہ دو: اگر تم [واقعی] اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

٥)......﴿ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَاعَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ ﴾ [سورة توبه: ٥٤]

''اگر رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے ورنہ رسول کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ [اپنا پیغام] صاف صاف پہنچا دے۔''

٦)......﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾[سورة النساء: ٦٩]

''جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے، وہ [روزِ قیامت] ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ ان لوگوں کی رفاقت بہت اچھی ہے۔''

٧)......﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾[سورة النساء: ١٣]

''جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔''

٨)......﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَاالْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾[سورة الفتح: ١٧]

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، اسے اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے منہ موڑے گا، اسے اللہ تعالیٰ دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا۔''



[3]......اطاعتِ رسول ﷺ اَحادیثِ مبارکہ کی روشنی میں

جس طرح قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع کی فرضیت پر دلالت کرنے والی بہت سی آیات موجود ہیں اور ان میں مختلف اَسالیب کے ساتھ اطاعتِ رسول کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، اسی طرح خود آنحضرت ﷺ نے بھی اَحادیث میں اپنی اطاعت و اتباع کا دوٹوک حکم دیا ہے۔ آئندہ سطور میں اطاعتِ رسول کی ضرورت و اہمیت کے بارے چند صحیح احادیث درج کی جارہی ہیں:

اللہ کے رسولؐ کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے:

*......((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ قَالَ: مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ یَّعْصِنِیْ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ))

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔''(۱)

○ اس لیے کہ اللہ کے رسولؐ نے بحیثیت نبیؐ جو کچھ کہا اور فرمایا وہ سب اللہ کی طرف سے دین تھا۔ اور اس دین کی پیروی گویا اللہ کی پیروی ہے اور اس کی مخالفت بھی اللہ ہی کی نافرمانی ہے۔

اطاعتِ رسولؐ سے منہ موڑنے والا جنت میں جانے سے خود ہی انکار کررہا ہے!

*......((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ : كُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ یَّاْبٰی ؟ قَالَ: مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی))

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کے سارے لوگ جنت میں جائیں گے، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے جنت میں جانے سے انکار کیا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! جنت میں جانے سے کون انکار کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے [گویا جنت میں جانے سے] انکار کیا۔''(۲)

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ(ح ۱۸۳۵)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ(ح ۷۲۸۰)]

○ معلوم ہوا کہ جنت میں جانے کے لیے اللہ کی رسول ﷺ کی اطاعت اور آپؐ کے بتائے ہوئے طریقے کی اتباع ضروری ہے اور جو آپ کی اطاعت واتباع نہیں کرتا وہ گویا جنت میں جانے سے خود ہی انکار کر رہا ہے۔ اللہ ہم سب کو اپنے پیارے حبیب ﷺ کی اطاعت واتباع کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

ہدایت کا معیار صرف قرآن وسنت ہے:

*......((عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ: اِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ شَیْئَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُمَا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتِیْ))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میں تمہارے اندر دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم ان پر عمل کرو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے: ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت ہے۔''[1]

○ ان دو چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اگر ہدایت کا معیار ہوتی تو یقیناً اللہ کے رسولؐ اس کی بھی وضاحت فرما دیتے، مگر ذخیرۂ حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس کے علاوہ کسی اور چیز کو معیارِ ہدایت قرار نہیں دیا۔ اس لیے کسی مفتی کا فتویٰ، عالم کا علم، فقیہ کی فقہ، مفسر کی تفسیر، مؤرخ کی تاریخ، مصنف کی تصنیف، قاری کی قرأت، دین میں حجت یا معیار نہیں بلکہ قرآن اور حدیث ہی اصل معیار ہے اور اسی پر ہر چیز کو تولا جائے گا۔ جو اس پر پورا اترے وہ قابلِ توجہ اور جو اس پر پورا نہ اترے وہ نا قابلِ التفات ہے۔

*......((عن المقدام بن معدی کرب عن رسول الله قال: اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ اَلَا یُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانٌ عَلٰی اَرِیْکَتِهٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِهٰذَا الْقُرْآنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ اَلَا لَا یَحِلُّ لَکُمْ لَحْمُ الْحِمَارِ الْاَهْلِیِّ وَلَا کُلُّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السَّبُعِ وَلَا لُقَطَةُ مُعَاهِدٍ اِلَّا اَنْ یَّسْتَغْنِیَ عَنْهَا صَاحِبُهَا))

حضرت مقدام بن معدی کربؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! سن لو، مجھے اللہ کی طرف سے قرآن ہی کی طرح ایک اور چیز [یعنی حدیث] بھی دی گئی ہے۔ خبردار! ایک وقت آئے گا کہ ایک پیٹ بھرا شخص اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا اور کہے گا لوگو! تمہارے لیے قرآن ہی کافی

(۱) [صحیح الجامع الصغیر۔ للالبانی (ح ۲۹۳٤)]

ہے۔اس قرآن میں جو چیز حلال ہے بس وہی حلال ہے اور جو اس میں حرام ہے بس وہی حرام ہے۔ لوگو سنو! گھریلو گدھا بھی تمہارے لیے حلال نہیں ہے اور نہ ہی کچلی والے درندے تمہارے لیے حلال ہیں اور نہ ہی کسی ذمی کی گری پڑی چیز تمہارے لیے حلال ہے، ہاں البتہ اگر اس کے مالک کو اس کی ضرورت ہی نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔''[۱]

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: ''جو کچھ اللہ کا رسولؐ حرام قرار دے دے، وہ ایسے ہی حرام ہے جیسے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔''[۲]

○ حدیثِ رسولؐ کے وحی اور حجت ہونے کے لحاظ سے یہ حدیث بھی بڑی واضح ہے۔اس میں ایک تو آپؐ نے یہ فرمایا کہ مجھے صرف قرآن ہی دے کر نہیں بھیجا گیا کہ کل کو کوئی شخص یہ کہہ بیٹھے کہ...... ''جو کچھ قرآن میں ہے بس وہی دین ہے اور اس کے علاوہ دین کچھ نہیں''...... بلکہ اس قرآن کے ساتھ مجھے ایک اور چیز بھی دی گئی ہے اور ظاہر ہے وہ اور چیز آپ کی حدیث اور سنت ہی ہو سکتی ہے جو آپؐ کے قول و فعل کی شکل میں امت کے سامنے آ گئی اور امت نے اسے سینوں، کتابوں اور اپنی زندگیوں میں جاری کر کے محفوظ کر لیا۔آپؐ کے قول و فعل یا دوسرے لفظوں میں حدیث و سنت کے علاوہ اور کوئی چیز دین کی حیثیت سے نہ آپؐ نے پیش فرمائی اور نہ ہی قرآن و حدیث کے علاوہ کسی اور چیز کو آج تک امت نے دین قرار دیا ہے۔

اس حدیث میں دوسری چیز آپؐ نے یہ ارشاد فرمائی کہ جسے میں حرام قرار دے دوں وہ بھی ایسے ہی ہے جیسے اللہ کی حرام کردہ کوئی اور چیز۔اللہ نے جو چیز حرام قرار دی وہ اس کی کتاب قرآن میں بیان ہو گئی اور اللہ کے رسولؐ نے اس سے اضافی جس چیز کو حرام قرار دیا وہ آپ کی احادیث میں بیان ہوئی۔اب ظاہر ہے اللہ کے رسول اپنی مرضی سے تو کوئی چیز حلال یا حرام قرار نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی کی منشا سے آپؐ ایسا کوئی فیصلہ کریں گے۔اور اللہ کا حکم یا تو وحیِ جلی یعنی قرآنی شکل میں آپ کے پاس آتا یا پھر وحیِ خفی یعنی حدیث کی شکل میں۔

پھر آپؐ نے صرف اتنا کہہ دینے پر اکتفا نہ کی بلکہ کچھ مثالیں دے کر اس کی اور وضاحت فرما دی، چنانچہ آپؐ نے گھریلو گدھے اور کچلی والے درندے حرام قرار دیے، حالانکہ قرآن میں ان دونوں کی حرمت کا ذکر

(۱) [سنن ابو داؤد، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة(ح۴۵۹۳)]

(۲) [سنن ابن ماجه، المقدمه، باب تعظیم حدیث رسول الله......(ح۱۲)]

نہیں ہے۔اور آپؐ یہی واضح فرمانا چاہتے تھے کہ قرآن کے علاوہ میرا ہر وہ قول وفعل بھی تمہارے لیے دین کی حیثیت رکھتا ہے جو میں دین اور وحی کی حیثیت سے تمہارے لیے پیش کرتا ہوں۔اس لیے اطاعت و اتباع کے سلسلہ میں جو حکم قرآن کے بارے ہے، وہی حدیث وسنت کے بارے بھی ہے۔جب تک ان دونوں چیزوں کو نہیں پکڑا جائے گا، تب تک ہدایت حاصل نہیں ہوسکتی۔اس سلسلہ میں مزید ایک حدیث ملاحظہ فرمائیے:

*......((عن ابن عباسؓ ان رسول اللهﷺ خَطَبَ النَّاسَ فِیْ حَجَّةِ الْوِدَاعِ فَقَالَ: اِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ یَئِسَ اَنْ یُّعْبَدَ بِاَرْضِکُمْ وَلٰکِنْ رَضِیَ اَنْ یُّطَاعَ فِیْمَا سِوٰی ذٰلِکَ مِمَّا تُحَاقِرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِکُمْ فَاحْذَرُوْا اِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا کِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ نَبِیِّهٖ))

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ تمہاری اس سرزمین میں کبھی اس کی عبادت کی جائے گی، البتہ وہ اسی بات پر خوش ہے کہ وہ اعمال جنہیں تم معمولی سمجھتے ہو، ان میں اس کی پیروی کی جائے، پس تم [شیطان سے] بچ کر رہو اور سنو: میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں جسے اگر مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ ہے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔''(۱)

○ تاریخ گواہ ہے کہ جب مسلمانوں نے قرآنی تعلیمات سے منہ موڑا، وہ نہ صرف یہ کہ گمراہی کی راہ پر چل نکلے بلکہ دنیا میں ذلیل وخوار بھی ہوئے اور جب کسی نے اللہ کے رسول ﷺ کی اَحادیث سے بے رُخی کر کے قرآن کو سمجھنے کی کوشش کی تو وہ کبھی حق بات تک نہ پہنچ سکا۔حدیث سے اعراض کرنے والے فرقوں کو آج بھی مجموعی طور پر گمراہ ہی کہا جاتا ہے، خواہ بظاہر وہ کتنے ہی پرکشش نعرے اور دلفریب دعوے کیوں نہ رکھتے ہوں......!

*......((قال العرباض ابن سارية: صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ ذَاتَ یَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِیْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُیُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ قَائِلٌ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! کَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ اِلَیْنَا؟ فَقَالَ: اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ عَبْدًا

(۱) [صحیح الترغیب والترهیب ۔ للالبانیؒ (ج۱ ح۳۶)]

حَبَشِيًا فَإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّيْنَ الرَّاشِدِيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی، نماز کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں بڑا موثر وعظ فرمایا جس سے لوگوں کے آنسو بہہ نکلے اور دل کانپ اٹھے۔ ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! آج آپؐ نے اس طرح وعظ فرمایا ہے جیسے یہ آپ ﷺ کا آخری وعظ ہو۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر آپؐ ہمیں کس چیز کی وصیت فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے، امراء کی بات سننے اور ان کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں، خواہ تمہارا امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ [اور سنو!] جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ [امت میں] بہت زیادہ اختلاف دیکھیں گے، پس ایسے حالات میں میری اور ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدین کی سنت کو لازم پکڑنا اور اس پر مضبوطی سے جمے رہنا۔ اور دین میں پیدا کی گئی نئی نئی باتوں [بدعتوں] سے بچنا کیونکہ دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''[1]

○ اللہ کی مشیت ہی کا تقاضا تھا کہ نبی کریمؐ کے بعد جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، اس امت میں باہمی اختلافات کا دائرہ بھی بڑھتا ہی چلا گیا۔ آپؐ نے پیشین گوئی فرمادی تھی کہ میرے بعد جلد ہی اختلافات کا آغاز ہو جائے گا اور ساتھ ہی آپؐ نے امت کو یہ ہدایت بھی فرمادی کہ ایسے وقت میں میری اور میرے خلفاء کی سنت ہی کو اختیار کرنا۔ یعنی جس راہ پر میں چلا اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء جسے اختیار کریں گے، تم بھی اسی راہ کو اختیار کرنا، اسے چھوڑ کر کوئی اور راہ نہ نکال لینا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ کے رسول کی اطاعت ہی کافی ہے تو پھر آپؐ نے اپنے خلفاء کی اطاعت کا حکم کیوں دیا۔ اس سوال کے جواب کے لیے پہلے خلفاء کا معنی سمجھ لیں۔

خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں۔ اللہ کے رسول کو اللہ کی طرف سے دو طرح کی ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں۔ ایک نبوت کی ذمہ داری اور دوسری اس امت کی سیاسی امامت وقیادت کی ذمہ داری۔ ظاہر ہے جب آپؐ

(۱) [سنن ابو داؤد، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة (ح۴۶۰۷) جامع ترمذی، کتاب العلم (ح۲۶۷۶) سنن ابن ماجه (ح۴۳) مسند احمد (ج۴ ص۱۲۶)]

آخری نبی ہیں تو آپؐ کے بعد نبوت کی جانشینی کی ضرورت ہی نہ رہی، البتہ سیاسی طور پر اس امت کی قیادت وامامت کی ذمہ داری اس وقت تک رہے گی جب تک یہ امت باقی ہے۔ اس لیے اس ذمہ داری پر جو بھی فائز ہوگا وہ آپ کا خلیفہ سمجھا جائے گا۔ اسلامی سیاسیات میں حاکم وقت کے لیے خلیفہ کا لفظ اسی تصور کی ترجمانی کرتا ہے۔ لیکن ہر خلیفہ کی سنت کی پیروی کا آپؐ نے حکم نہیں دیا بلکہ الراشدین المھدیین کہہ کر اس کی تعیین فرمادی کہ وہ نیک، صالح اور ہدایت یافتہ خلفاء ہیں۔

اب ظاہر ہے کوئی خلیفہ اس وقت تک نیک صالح اور ہدایت یافتہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اللہ کے رسول کا سچا اطاعت گزار اور متبع فرمان نہ ہو کیونکہ ہدایت کا راستہ تو آپؐ ہی نے دکھایا اور بتایا ہے۔ لیکن جو خلیفہ آنحضرتؐ کی سنت وہدایت سے لاپروائی کرنے اور منہ موڑنے والا ہو، اس حدیث ہی کی رو سے نہ وہ رَاشِدُ [نیک، صالح] ہے اور نہ ہی مَهْدِیُ [ہدایت یافتہ]۔ اس لیے اس کی سنت اور طرزِ عمل کی پیروی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی رہا اس حدیث میں راشد ومہدی خلفاء کی اطاعت کا حکم، تو ہمارے خیال میں اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک یہ کہ آپؐ نے بطورِ تاکید یہ بات فرمائی ہے، کیونکہ آپؐ اور آپؐ کے طریقے پر چلنے والے راشد ومہدی خلفاء کے طرزِ عمل میں کوئی تضاد نہیں ہوسکتا۔ جن اہلِ علم نے اس حدیث میں راشد ومہدی خلفاء سے مراد خلفائے اربعہ لیا ہے، اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کیونکہ خلفائے اربعہ جنت کی بشارت پانے والے صحابہ ہیں اور انہوں نے اپنی خلافت میں جو کچھ کیا، سنتِ رسولؐ ہی کی روشنی میں کیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ نت نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان پیش آمدہ مسائل کو قرآن وحدیث میں پہلے ہی سے مکمل تفصیلات کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا، البتہ قرآن وحدیث میں ایسے جامع اصول بتادیے گئے ہیں، جن کی روشنی میں ان پیش آمدہ نت نئے مسائل کا حل ممکن ہے۔ ظاہر ہے ان کے حل کے لیے راشد ومہدی خلفاء قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں پوری نیک نیتی کے ساتھ اجتہاد کریں گے، اور ان کے اجتہاد کے بعد جو اصول وقوانین طے پائیں گے ان میں ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

اسی طرح انتظامی نوعیت کے مسائل میں اہلِ حل وعقد کی مشاورت سے وہ جو پالیسیاں اختیار کریں گے، ان میں بھی ان کی اطاعت بحیثیت امیر ضروری ہے، تاکہ امت کی اجتماعیت قائم رہے۔ البتہ اگر ان کا کوئی فیصلہ یا قانون قرآن وحدیث کے کسی حکم کے صریح منافی ہو تو پھر بحیثیت مسلمان ہم سب کو یہی حکم ہے کہ

اس معاملے کوقرآن وحدیث کی طرف لوٹا دیا جائے، کیونکہ ہمارے لیے اصل معیار قرآن اور حدیث ہی ہے اور جو کچھ اس کے خلاف ہو وہ بہر صورت قبول نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ قرآن وحدیث کے دائرے میں رہتے ہوئے اگر کسی مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس میں توسع اختیار کرنا چاہیے نہ کہ شدت......!

خودساختہ بات کوحدیث نبویؐ کے طور پر پیش کرنے والے کی سزا:

۱)......((عن ابی هریرة عن النبی ﷺ قال: مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))

حضرت ابوہریرۃ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''(۱)

۲)......((عن علی قال قال: رسول الله ﷺ: لَاتَكْذِبُوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَلِجِ النَّارَ))

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر جھوٹ نہ باندھو، جس نے جان بوجھ کر مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا جبکہ وہ میں نے نہیں کہا، تو وہ اپنی جگہ جہنم میں بنالے۔''(۲)

۳)......((عن سلمة قال سمعت النبیؐ یقول: مَنْ يَقُلْ عَلَيَّ مَالَمْ أَقُلْ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))

حضرت سلمہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''جو شخص میری طرف ایسی بات منسوب کرے، جو میں نے نہیں کہی، تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''(۳)

٤)......((عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللهؐ: يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ يَأْتُونَكُمْ مِنَ الْأَحَادِيثِ بِمَالَمْ تَسْمَعُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ فَإِيَّاكُمْ وَإِيَّاهُمْ لَايُضِلُّونَكُمْ وَلَايَفْتِنُونَكُمْ))

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''آخری زمانے میں دجال اور کذاب قسم کے لوگ ایسی ایسی حدیثیں تمہارے پاس لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی اور نہ ہی تمہارے بڑوں نے کبھی سنی ہوں گی۔ لہٰذا ان سے بچ کر رہنا کہ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں یا فتنے میں مبتلا نہ کردیں۔''(٤)

---

(۱) [صحیح بخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبیؐ(ح۱۱۰)صحیح مسلم، المقدمه(ح۳)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب العلم، ایضاً(ح۱۰٦)صحیح مسلم، باب تغلیظ الکذب علی رسول الله(ح۱)]

(۳) [صحیح بخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبیؐ(ح۱۰۹)]

(٤) [صحیح مسلم، المقدمه، باب النهی عن الروایة عن الضعفاء(ح۷)]

۵)......((قال المغیرة سمعت رسول اللهﷺیقول:اِنَّ کِذْباًعَلَیَّ لَیْسَ کَکِذْبٍ عَلٰی أَحَدٍ فَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ))

حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:''میری طرف جھوٹ منسوب کرنا ایسا نہیں جیسا تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی طرف کرسکتا ہے بلکہ جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا،تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔''(۱)

۶)......عبداللہ بن زبیر نے اپنے والد زبیرؓ سے کہا:

((انی لااسمعك تحدث عن رسول الله کمایحدث فلان وفلان))

''جس طرح فلاں اور فلاں اللہ کے رسول کے حوالے سے احادیث روایت کرتے ہیں،آپ اس طرح احادیث روایت کیوں نہیں کرتے؟''تو حضرت زبیرؓ نے جواب دیا:''میں اللہ کے رسول کی رفاقت ومعیت سے کبھی پیچھے تو نہیں رہا تاہم میں اس لیے احادیث روایت کرنے سے بچتا ہوں کہ اللہ کے رسولؐ نے یہ فرمایا تھا:''جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا،وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''(۲)

○ اسی طرح بعض اور صحابہ بھی اس خوف کے پیش نظر اَحادیث روایت کرنے سے ڈرتے تھے کہ کہیں ہم اللہ کے رسول کی طرف کوئی ایسی بات نہ منسوب کر بیٹھیں جو آپؐ نے فی الواقع کہیں نہیں اور جہنم کی سزا کے مستحق بن بیٹھیں۔معلوم ہوا کہ دین میں حدیثِ نبویؐ کا ایک بلندتر مقام ہے اور جس طرح حدیث سے انکار یا استخفاف گمراہی کے راستے کھولتا ہے اسی طرح حدیث کے نام سے کوئی جھوٹی بات نبی کی طرف منسوب کرنا بھی جہنم میں لے جانے والا عمل ہے کیونکہ جو شخص بھی اس بات پر عمل کرے گا،وہ اسے حدیثِ رسولؐ ہی سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرے گا جب کہ حدیثِ رسولؐ دین کا حصہ ہے اور حدیث کے نام پر اللہ کے نبی پر جھوٹ باندھنے والا گویا دین سازی کر رہا ہے اور یہ اتنی بڑی جسارت ہے کہ اس کی سزا جہنم کی آگ ہی ہوسکتی ہے۔

(۱) [صحیح مسلم ،المقدمه، باب النهی عن الروایة عن الضعفاء(ح٤)]

(۲) [صحیح بخاری ،کتاب العلم ، باب اثم من کذب علی النبیؐ(ح١٠٧)ابن ماجه،مقدمه،باب التغلیظ فی تعمد الکذب علی رسول الله(ح٣٦)ابو داؤد(٣٦٥١)]

ان اَحادیث کی روشنی میں یقیناً وہ شخص بھی اس سزا کا مستحق ہونا چاہیے جو جانتے بوجھتے جھوٹی [موضوع] اَحادیث آگے نقل کرتا اور ان کی روشنی میں دین وشریعت کے مسائل بیان کرتا ہے یا کسی شرعی مسئلہ میں اپنے موقف کی کمزوری دور کرنے کے لیے ایسی اَحادیث تلاش کرتا اور انہیں اپنے لیے کافی سمجھتا ہے۔

حدیثِ رسولؐ کے مقابلہ میں کسی کا قول حجت نہیں:

۱)......((عن جابر عن النبی ﷺ حِینَ اَتَاہُ عُمَرُ فَقَالَ اِنَّا نَسمَعُ اَحَادِیثَ مِنْ یَهُوْدَ تُعْجِبُنَا اَفَتَرٰی اَنْ نَکْتُبَ بَعْضَهَا فَقَالَ: اَمُتَهَوِّکُوْنَ اَنْتُمْ کَمَا تَهَوَّکَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی جِئْتُکُمْ بِهَا بَیْضَاءَ نَقِیَّةً وَلَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَا وَسِعَهُ اِلَّا اتِّبَاعِیْ))

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم یہودیوں سے [ان کے دین کی] باتیں سنتے ہیں، جو ہمیں اچھی لگتی ہیں، اگر آپؐ اجازت دیں تو ہم ان کی بعض باتیں لکھ لیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم [اپنے دین کے ساتھ] اس طرح لاپروائی کرنا چاہتے ہو جس طرح یہود ونصاریٰ نے [اپنے دین کے بارے] لاپروائی کا اظہار کیا تھا جبکہ میں تمہارے پاس ایک واضح اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں۔ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری پیروی کیے بغیر ان کے لیے بھی کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔"[1]

درج ذیل حدیث میں یہی بات زیادہ تفصیل سے بیان ہوئی ہے:

۲)......((عن جابر ان عمر ابن الخطابؓ اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِنُسْخَةٍ مِّنَ التَّوْرَاةِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ هٰذِهٖ نُسْخَةٌ مِّنَ التَّوْرَاةِ فَسَکَتَ فَجَعَلَ یَقْرَأُ وَوَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ یَتَغَیَّرُ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ ثَکِلَتْكَ الثَّوَاکِلُ مَا تَرٰی مَا بِوَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰی وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ رَضِیْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَوْ بَدَا لَکُمْ مُوْسٰی فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِیْلِ وَلَوْ کَانَ حَیًّا وَاَدْرَكَ نُبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ))[2]

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کہیں سے تورات کا کوئی نسخہ لے کر اللہ کے رسول

(۱) [مسند احمد(ج۳ص۸۳) بیهقی، باب فی الایمان بالقرآن وسائر الکتب المنزلة(ج۱ ص۱۹۹ ح۱۷۶)]
(۲) [سنن دارمی،المقدمه،باب مایتقی من تفسیر حدیث النبیؐ ـ ارواء الغلیل(۶/۳۸۳۴)مشکوٰة (ح۱۹۴)]

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! یہ تورات ہے۔ آپ ﷺ خاموش رہے مگر حضرت عمر نے اسے پڑھنا شروع کر دیا، تو اللہ کے رسول ﷺ کے چہرہ مبارک [غصے سے] بدلنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ [نے یہ دیکھتے ہوئے] کہا اے عمر! گم کرنے والیاں تمہیں گم پائیں، کیا تم نے اللہ کے رسول ﷺ کا چہرہ مبارک نہیں دیکھا؟! حضرت عمرؓ نے اللہ کے رسول ﷺ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا تو فوراً کہا: میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غصے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، میں اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر آج موسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی شروع کر دو، تو سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے جبکہ موسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے، تو وہ بھی میری ہی اتباع کرتے۔''

○ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے سچے رسول تھے مگر جب اللہ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنا آخری رسول بنا کر مبعوث فرما دیا تو آپؐ کے آ جانے کے بعد سابقہ تمام شریعتوں کی ضرورت کو خ فرما دیا کیونکہ اللہ نے آپ کو ایک جامع اور کامل شریعت عطا فرمائی پھر تا قیامت اس کی حفاظت کی ذمہ دار بھی اٹھائی۔ اس لیے ہدایت و رہنمائی کے لیے ہمیں یہی شریعت کافی ہے، کسی اور دین و شریعت کی کو حاجت ہے نہ ضرورت۔ حضرت عمر کو تورات کی بعض باتیں حیران کن حد تک اچھی لگیں مگر یہ رویہ تورا کے کسی ناظر کو تورات سے متاثر اور محمدی شریعت سے لاپروا کر سکتا تھا، اس لیے آپؐ نے اس معاملہ میں سخ کرتے ہوئے یہی بات ارشاد فرمائی کہ ''کیا تم [اپنے دین کے ساتھ] اس طرح لاپروائی کرنا چاہتے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ نے [اپنے دین کے بارے] لاپروائی کا اظہار کیا تھا۔'' یعنی جب میں ایک شریعت لے کر تمہارے پاس آ گیا ہوں تو پھر ہدایت کے لیے تم کسی اور چیز کی طرف کیوں دیکھتے ہو!

پھر آپ کی لائی ہوئی شریعت چونکہ کامل و مکمل اور آخری شریعت کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے آپؐ نے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ''جبکہ میں تمہارے پاس ایک واضح اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں۔''

پھر آپؐ نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ ''اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری پیروی کیے بغیر ان کے لیے بھی کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔'' معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کے لائے ہوئے دین کے مقابلہ

میں اب کوئی اور دین قابل قبول نہیں۔

مذکورہ بالا اَحادیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب محمد مصطفیؐ کے مقابلہ میں کسی اور نبی کی بات حجت نہیں ہو سکتی تو پھر آپؐ کے مقابلہ میں کسی عالم اور فقیہ کی بات بالاولیٰ حجت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر کوئی شخص حدیثِ رسولؐ واضح ہو جانے کے باوجود کسی عالم، مفتی یا پیر و مرشد کی بات پر عمل کرے جبکہ اس کی وہ بات قرآن وسنت کے صریح خلاف بھی ہو تو اس شخص کو اس گمراہانہ فعل پر اپنے بارے کسی خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے!

سنتِ رسولؐ سے تجاوز گمراہی کا دروازہ کھولتا ہے، خواہ اس کے پیچھے کتنی ہی نیک نیتی کارفرما ہو:

۱)......((عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ إِذَا أَمَرَهُمْ أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا يُطِيقُوْنَ قَالُوْا إِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَارَسُوْلَ اللهِ إِنَّ اللهَ قَدْغَفَرَلَكَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَغْضِبُ حَتّٰى يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِيْ وَجْهِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ: إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللهِ أَنَا))

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ جب صحابہ کو کسی بات کا حکم فرماتے، تو اتنی ہی بات کا حکم فرماتے جتنی وہ باآسانی کر سکتے۔ صحابہ کہتے: اے اللہ کے رسولؐ! ہم تو آپ کی طرح نہیں ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی تو اللہ تعالیٰ نے اگلی پچھلی ساری لغزشیں ہی معاف کر دی ہیں۔ [اس لیے ہمیں اپنے سے زیادہ عبادت کرنے دیجیے] یہ سن کر آپ ﷺ غصے میں آ گئے حتیٰ کہ غصے کے آثار آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر ظاہر ہو گئے، پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا: بے شک میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کے اَحکام کے بارے سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔''[۱]

۲)......حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین آدمی [یعنی حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ] نبی اکرم ﷺ کی اَزواج مطہرات کے گھروں کی طرف آپ کی عبادت کے متعلق دریافت کرنے آئے۔ جب انہیں آنحضرت ﷺ کا عمل بتایا گیا تو انہوں نے [اس کے مقابلہ میں اپنا عمل] بہت کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا آنحضرت ﷺ سے بھلا کیا مقابلہ! آپؐ کی تو اگلی پچھلی تمام لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں آج سے ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی روزہ ترک نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کر لوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی: انا اعلمکم باللہ (ح۲۰)]

پھر آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور ان سے پوچھا کیا تم نے ہی یہ باتیں کہی ہیں؟ سن لو اللہ کی قسم! میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور خوف رکھنے والا ہوں لیکن میں نفلی روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، میں نمازِ [تہجد] پڑھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں نے عورتوں سے نکاح بھی کر رکھا ہے لہٰذا جس شخص نے میرے طریقے [سنت] سے بے رغبتی اختیار کی وہ مجھ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔''(۱)

۳)......((عن عائشة قالت: صَنَعَ النَّبِيُّ ﷺ شَيْئًا فَرَخَّصَ فِيْهِ فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَخَطَبَ فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ: مَابَالُ اَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْءِ اَصْنَعُهُ فَوَاللّٰهِ اِنِّي اَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً))

''حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی کام کیا پھر اس میں رخصت دے دی، لیکن کچھ لوگوں نے وہ رخصت لینے سے گریز کیا۔ نبی اکرم ﷺ کو پتہ چلا تو آپؐ نے خطبہ دیا اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا: کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ اس چیز سے گریز کرتے ہیں جو میں کرتا ہوں، اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ کی مرضی سے واقف ہوں اور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں!''(۲)

○ ان تینوں اَحادیث میں اللہ کے رسولؐ نے اپنی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی واضح فرما دیا ہے کہ میری سنت کے مطابق چلو گے تو کامیاب ہو گے ورنہ میری سنت سے ہٹ کر جو کچھ بھی کرو گے، اس سے بجائے ثواب کے گناہ ہی حاصل ہوگا۔ بعض لوگ زیادہ سے زیادہ اَجر وثواب کے لیے نیک نیتی کے ساتھ کوئی ایسی عبادت کرنا چاہتے تھے جو آپ نے نہیں کی، یا اپنی استطاعت سے زیادہ کوئی عبادت کرنا چاہتے تھے مگر آپؐ نے سختی کے ساتھ انہیں ڈانٹ دیا اور کہا کہ جب میں ایک کام کرتا یا چھوڑتا ہوں تو تم اس میں میری پیروی کیوں نہیں کرتے حالانکہ تم لوگ نہ مجھ سے زیادہ احکامِ خداوندی سے واقف ہو اور نہ ہی مجھ سے زیادہ متقی بن سکتے ہو۔

معلوم ہوا کہ دین میں اصل چیز معیار ہے مقدار نہیں اور معیار یہ ہے کہ دین کے نام پر کیا جانے والا ہر عمل

(۱) [صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح (ح ۵۰۶۳) صحیح مسلم، کتاب النکاح (ح ۱۴۰۱) احمد (۲۴۱/۳) بیهقی (۷۷/۷)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من لم یواجه الناس بالعتاب (۶۱۰۱)، صحیح مسلم، کتاب الفضائل (۲۳۵۶)]

قرآن اور سنتِ رسولؐ کے مطابق ہونا چاہیے۔ جو عمل قرآن اور سنتِ رسولؐ کے مطابق نہ ہو، وہ اللہ کی بارگاہ میں قابلِ قبول نہیں۔ جیسا کہ ایک روایت میں واضح طور پر اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمادیا کہ:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَیْسَ عَلَیْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ))

"جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کی ہماری طرف سے اجازت نہ تھی، تو وہ کام مردود ہے۔"[1]

*……حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے بعض صحابہ کے ساتھ حالتِ سفر میں تھے۔ ایک رات آپؐ نے کہیں پڑاؤ کیا اور ایک صحابی کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ نمازِ فجر کے لیے بیدار کردے۔ [لیکن تھکاوٹ کی وجہ سے سب سوئے رہ گئے اور] اللہ کے رسول ﷺ بھی اس وقت بیدار ہوئے جب سورج سر پر چڑھ آیا تھا۔ آپؐ نے صحابہ کو بیدار کیا اور وہاں سے کوچ کا حکم دیا پھر راستے میں آپؐ ایک اور جگہ رُکے اور وہاں نماز کی قضا دی۔ آپ ﷺ نے یہ قضا نماز اسی طرح ادا کی جس طرح معمول میں وقت پر اسے ادا کرتے تھے۔ راوی فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ آپس میں سرگوشی کرنے لگے کہ آج نماز کے سلسلہ میں ہم سے جو کوتاہی ہوئی ہے، اس کا ہمیں کیا کچھ کفارہ دینا چاہیے؟

اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی بات سن لی اور فرمایا کیا تمہارے لیے میرا نمونہ کافی نہیں۔ [یعنی جب میں نے کفارہ نہیں دیا اور نہ ہی تم سے تقاضا کیا تو پھر تم اس بارے میں کیوں سوچ رہے ہو؟] پھر آپؐ نے فرمایا کہ نیند کی وجہ سے نماز میں تاخیر ہونا کوتاہی نہیں، کوتاہی تو یہ ہے کہ آدمی جان بوجھ کر نماز میں تاخیر کرے حتیٰ کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔ اگر کسی روز ایسا ہو جائے تو یاد آتے ہی نماز پڑھ لو اور اگلے روز نماز کو ٹھیک اس کے وقت پر ادا کرو۔[2]

سنتِ رسولؐ سے منہ موڑنے والا ہلاکت میں جا پڑا!

۱)……((عن العرباض بن ساریة انه سمع رسول الله ﷺ یقول: لَقَدْ تَرَکْتُکُمْ عَلٰی مِثْلِ الْبَیْضَاءِ لَیْلُهَا کَنَهَارِهَا لَا یَزِیْغُ عَنْهَا اِلَّا هَالِكٌ))[3]

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے یہ ارشاد سنا، آپؐ

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب اذا اجتهد العامل او الحاکم فاصاب او اخطاء (معلقا)]

(۲) [صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب قضاء الصلاة الفائتة و استحباب تعجیل قضائها (ح ۶۸۱)]

(۳) [کتاب السنة، لابن ابی عاصم، تحقیق از: البانیؒ (ح ۴۹)]

فرماتے ہیں: ''لوگو! میں تمہیں ایسے روشن دین پر چھوڑ کر جارہا ہوں جس کی رات بھی دن کی طرح روشن ہے اور جس نے اِس سے منہ موڑا، سمجھو وہ ہلاک ہو گیا۔''

۲)......((عن ابی موسٰی عن النبی ﷺ قال: اِنَّ مَثَلِیْ وَمَثَلَ مَابَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ کَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰی قَوْمَهٗ فَقَالَ یَاقَوْمِ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَیْشَ بِعَیْنَیَّ وَاِنِّیْ اَنَاالنَّذِیْرُالْعُرْیَانُ فَالنَّجَاءَ فَاَطَاعَهٗ طَائِفَةٌ مِنْ قَوْمِهٖ فَاَدْلَجُوْا فَانْطَلَقُوْا عَلٰی مُهْلَتِهِمْ فَنَجَوْا وَکَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ فَاَصْبَحُوْا مَکَانَهُمْ فَصَبَّحَهُمُ الْجَیْشُ فَاَهْلَکَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ اَطَاعَنِیْ وَاتَّبَعَ مَاجِئْتُ بِهٖ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِیْ وَکَذَّبَ بِمَاجِئْتُ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ))

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میری اور اس دین کی مثال، جسے میں دے کر بھیجا گیا ہوں، ایسی ہے جیسے ایک آدمی اپنی قوم کے پاس آئے اور ان سے کہے: لوگو! میں نے اپنی آنکھوں سے [دشمن کا] لشکر دیکھا ہے اور میں واضح طور پر تمہیں خبردار کر رہا ہوں لہذا اس سے بچنے کی فکر کرو۔ قوم کے کچھ لوگ اس کی بات مانتے ہوئے رات کے اندھیرے میں چپکے سے نکل جاتے ہیں اور اس طرح نجات پا جاتے ہیں جبکہ باقی لوگ اسے جھٹلا دیتے ہیں اور ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ چنانچہ صبح کے وقت وہ لشکر ان پر حملہ آور ہوتا ہے اور انہیں ہلاک کر کے ان کی جڑ کاٹ کے رکھ دیتا ہے۔ یہ ہے مثال، میری بات ماننے اور مجھ پر نازل کیے گئے دین کی پیروی کرنے والے کی اور میری نافرمانی کرنے والے اور جو دین مجھ پر نازل کیا گیا اسے جھٹلانے والے کی۔''(۱)

۳)......((عن جابر بن عبداللہ قال جَاءَتْ مَلَائِکَةٌ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ وَهُوَنَائِمٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اِنَّهٗ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ الْعَیْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ یَقْظَانُ فَقَالُوْا: اِنَّ لِصَاحِبِکُمْ هٰذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوْا لَهٗ مَثَلًا فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اِنَّهٗ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: اِنَّ الْعَیْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ یَقْظَانُ فَقَالُوْا: مَثَلُهٗ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی دَارًا وَجَعَلَ فِیْهَامَاْدُبَةً وَبَعَثَ دَاعِیًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِیَ دَخَلَ الدَّارَ وَاَکَلَ مِنَ الْمَاْدُبَةِ وَمَنْ لَّمْ یُجِبِ الدَّاعِیَ لَمْ یَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ یَاْکُلْ مِنَ الْمَاْدُبَةِ فَقَالُوْا: اَوِّلُوْهَا لَهٗ یَفْقَهْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اِنَّهٗ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ: اِنَّ الْعَیْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ یَقْظَانُ فَقَالُوْا: فَالدَّارُالْجَنَّةُ وَالدَّاعِیُ مُحَمَّدٌ ﷺ، فَمَنْ اَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰی

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء(ح ۷۲۸۳)]

مُحَمَّدًا ﷺ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمُحَمَّدٌ ﷺ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ))

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ''فرشتوں کی ایک جماعت نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لائی جبکہ اس وقت آپ ﷺ آرام فرمارہے تھے۔فرشتوں نے آپس میں کہا: آپ ﷺ تو سور ہے ہیں لیکن دوسرے فرشتوں نے کہا کہ آپ ﷺ کی آنکھ سورہی ہے مگر دل جاگتا ہے۔ پھر فرشتوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک مثال ہے وہ بیان کرو۔ کچھ فرشتوں نے کہا: آپ ﷺ تو سور ہے ہیں جبکہ دوسرے فرشتوں نے کہا کہ آپ ﷺ کی آنکھ سوتی ہے لیکن دل جاگتا ہے۔ چنانچہ فرشتوں نے کہا: آپ کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک گھر تعمیر کیا، اس میں دعوت کا انتظام کیا اور پھر لوگوں کو بلانے کے لیے ایک قاصد بھیجا۔ پس جس نے اس قاصد کی بات مان لی وہ گھر میں داخل ہوا اور کھانا کھالیا۔ اور جس نے اس قاصد کی بات نہ مانی، وہ نہ تو گھر میں داخل ہوا اور نہ ہی کھانا کھاسکا۔ پھر کچھ فرشتوں نے کہا: اس مثال کی وضاحت کرو تا کہ رسول اللہ ﷺ اسے اچھی طرح سمجھ لیں۔ بعض فرشتوں نے پھر یہ کہا کہ آپ ﷺ تو سور ہے ہیں [اس لیے اس بات کا آپ کو کیا فائدہ] لیکن دوسروں نے جواب دیا کہ آپ کی آنکھ تو سورہی ہے لیکن دل جاگ رہا ہے۔ چنانچہ فرشتوں نے اس مثال کی وضاحت یوں کی کہ گھر سے مراد جنت ہے اور لوگوں کو بلانے والے قاصد سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ پس جس نے محمد ﷺ کی بات مان لی اس نے گویا اللہ کی بات مانی اور جس نے محمد ﷺ کی بات ماننے سے انکار کر دیا، اس نے گویا اللہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور محمد ﷺ لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں [یعنی کون آپ کی بات مانتا ہے اور کون نہیں]۔''(۱)

○ یعنی جو نبیؐ کی بات مان کر اس کی پیروی کرتا ہے، وہ دنیا اور آخرت میں نجات پائے گا اور جنت میں داخل ہو جائے گا لیکن جو بات نہیں مانتا وہ ہر حال میں نقصان اٹھائے گا۔ گزشتہ احادیث میں تو یہ بات ایک تمثیلی انداز میں سمجھائی گئی ہے جبکہ آئندہ حدیث عملاً پیش آنے والے ایسے ہی ایک واقعہ کو بیان کر رہی ہے جس کے مطابق اللہ کے رسول کی نافرمانی کرنے والے کو عبرتناک سزا ملتی ہے:

((عن سلمة بن اكوعؓ ان اباه حدثه اَنَّ رَجُلًا اَكَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ بِشِمَالِهِ فَقَالَ: كُلْ بِيَمِيْنِكَ قَالَ: لَا اَسْتَطِيْعُ قَالَ: لَا اسْتَطَعْتَ مَامَنَعَهُ اِلَّا الْكِبْرُ قَالَ: فَمَا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ))

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول الله(ح ۷۲۸۱)]

''حضرت سلمہ بن اکوع فرماتے ہیں کہ ان کے باپ نے انہیں یہ بیان کیا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا تو آپؐ نے فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ اس آدمی نے [از راہِ تکبر] جواب دیا: میں ایسا نہیں کر سکتا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا [اللہ کرے] تجھ سے ایسا نہ ہو۔ راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ اس شخص نے چونکہ تکبر کی وجہ سے یہ بات کہی تھی، اس لیے وہ [عمر بھر] اپنا دایاں ہاتھ منہ تک نہ اٹھا سکا۔''(۱)

یہ صحیح مسلم کی مستند حدیث ہے لہٰذا اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ کے رسول کی بات نہ ماننے والے کو یہ سزا ملی ہے۔ یہ شخص کون تھا مسلمان، غیر مسلم یا منافق، اس بارے اس حدیث کے سیاق وسباق میں کچھ مذکور نہیں۔ امام طبرانیؒ نے اپنی معجم کبیر میں اس سے ملتی جلتی ایک روایت ذکر کی ہے جس کے مطابق سلمہ سبیعہ نامی ایک عورت کے ساتھ بھی اس طرح کا معاملہ پیش آیا۔ بہرحال یہ جس کے ساتھ بھی پیش آیا، اس سے قطع نظر اصل مقصود سنتِ رسول کی اَہمیت وعظمت کو اجاگر کرنا ہے اور وہ بالکل واضح ہے۔

یا اللہ! ہمیں اپنے نبی ﷺ کی اطاعت واتباع کی توفیق عطا فرما، آمین!



(۱) [صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب آداب الطعام والشراب واحکامهما (ح ۲۰۲۱)]

[4]......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے سچے ساتھی نصیب فرمائے جو آپؐ کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لیے فوراً تیار ہو جاتے۔ وہ دل کی گہرائیوں سے آپؐ سے محبت رکھتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان رکھتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا﴾[سورة البقرة:۱۳۷]

''اگر دوسرے لوگ بھی اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم (صحابہؓ) ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت پا جائیں گے۔''

صحابہ کرامؓ اپنے دین و دنیا کے مسائل میں آپؐ ہی سے رہنمائی لیتے تھے۔ وہ آپ کو جس طرح نماز پڑھتے، روزہ رکھتے، حج و عمرہ کرتے دیکھتے، ان کی پوری کوشش یہی ہوتی کہ وہ بھی اسی طرح ان اعمال کو بجالائیں۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ دین ذاتی، پسند اور ناپسند کا نام نہیں بلکہ دین وہ ہے جو اللہ کی طرف سے آتا ہے اور اس کا واحد ذریعہ اللہ کا رسول ہے۔ حتیٰ کہ انہوں نے قرآن مجید کو اللہ کی کتاب اسی بنیاد پر تسلیم کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منزل من اللہ کتاب کہا۔ گویا قرآن مجید پر ایمان لانے سے پہلے وہ اللہ کے رسول کی رسالت پر ایمان لائے اور یہ ایمان بالرسالۃ اتنا مستحکم تھا کہ اگر کوئی مسئلہ قرآن مجید میں بیان نہ ہوا مگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ رسالت سے وہ دین کی حیثیت سے پیش ہوا تو صحابہؓ نے اس میں سے کسی قسم کا شک نہ کیا بلکہ بغیر تردد کے فوراً اسے دین کی حیثیت سے قبول کر لیا۔

ایک مرتبہ امیہ بن عبداللہ نامی ایک آدمی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابن عمر! صلاۃ خوف اور صلاۃِ حضر (عام نماز) کا حکم تو ہمیں قرآن مجید میں ملتا ہے مگر کیا وجہ ہے کہ صلاۃِ سفر کا حکم ہمیں قرآن میں نہیں ملتا؟ تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا:

((اِبْنَ اَخِيْ! اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ بَعَثَ اِلَيْنَا مُحَمَّدًا وَلَانَعْلَمُ شَيْئًا فَاِنَّمَا نَفْعَلُ كَمَا رَأَيْنَا مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم يَفْعَلُ))

''اے میرے بھتیجے! اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ہمارے لیے نبی بنا کر بھیجا جبکہ ہمیں کسی چیز کا علم نہیں تھا، چنانچہ ہم محمد ﷺ کو جس طرح کرتے دیکھتے، اسی طرح کرتے چلے جاتے۔''(۱)

سنت کے بارے میں صحابہ کرام کا مجموعی طور پر یہی رویہ تھا۔ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کی اطاعت و اتباع کے اس قدر دلدادہ تھے کہ وہ بعض اوقات ان اُمور میں بھی آنحضرت ﷺ کی اتباع کی کوشش کرتے جن کی اتباع آپؐ نے ضروری قرار نہیں دی تھی مثلاً بشری تقاضوں کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کو کسی کھانے کے ساتھ زیادہ محبت تھی تو بعض صحابہ بھی اس کھانے کو پسندیدہ قرار دے لیتے، اور طبعی طور پر اگر کسی کھانے کو آپؐ پسند نہ فرماتے تو بعض صحابہ بھی آپ کی محبت میں اسے پسند نہ فرماتے۔ سفری تقاضوں کی وجہ سے آنحضرتؐ نے دورانِ سفر کہیں پڑاؤ کیا ہوتا تو بعض صحابہ کرام بھی وہاں پڑاؤ کرنا اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے۔ یہ تو وہ چیزیں ہیں جن میں آپ کی اطاعت لازم نہیں لیکن پھر بھی بعض صحابہ ان معاملات میں بھی آپ کی اطاعت واتباع کی کوشش فرماتے۔ اس سے آپ اندازہ کرلیں کہ دینی معاملات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور کی کس قدر اطاعت کرتے ہوں گے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ:

- جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کانوں میں آواز پڑتے ہی ہاتھوں میں پکڑے شراب کے جام الٹ دیے۔ گھروں میں رکھے شراب کے مٹکے بہا دیے۔
- جب گدھوں کی حرمت کا حکم آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سخت بھوک کے باوجود اللہ کے رسولؐ کے منادی کا اعلان سنتے ہی چولہے پر رکھی ہوئیں ہنڈیا الٹ دیں۔
- سود کی حرمت کا جب فیصلہ ہوا، تو اس کے بعد کوئی صحابی سودی لین دین کرتے نہ دیکھا گیا۔
- جس وقت جوئے کو حرام قرار دیا گیا تو اس کے بعد کسی صحابی نے جوئے کی حلت واجازت کے لیے حجت بازی کی کوشش نہ کی۔
- زنا، بدکاری اور فواحش کی جملہ صورتیں جب ممنوع قرار دے دی گئیں تو اس کے بعد کسی صحابی نے ان میں سے کسی چیز کو جائز سمجھنے کی جرأت نہ کی، بلکہ ہمیشہ کے لیے انہیں حرام ہی سمجھا۔

آئندہ سطور میں مستند روایات کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت واتباع کی ایک جھلک دکھانے کی کوشش کی گئی ہے، اسے ملاحظہ فرمائیں اور اس کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ اپنے اندر بھی اللہ کے رسول

(۱) [مسند احمد (ج ۲ ص ۹۵)]

ﷺ کی ایسی سچی اور کامل اطاعت کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش فرمائیں۔ اللہ کرے ہم بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح اللہ کے رسول ﷺ کے سچے پیروکار اور متبع فرمان بن جائیں، آمین یارب العالمین!

حضرت عبداللہ بن عمرؓ:

ہم سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے متعلقہ چند روایات نقل کر رہے ہیں، اس لیے کہ یہ وہ صحابیِ رسولؐ ہیں جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی نبوی اور بشری تمام سنتوں پر عمل کرنے کی کوشش کی، حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ کے بشری طور طریقوں کی پیروی امت پر واجب نہیں بلکہ یہ مباح کے درجہ میں ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ہم واضح کر چکے ہیں، تاہم مباح کام بھی اگر کسی دینی جذبے سے کیے جائیں، تو وہ باعثِ اجر بن جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ چونکہ ان مباح کاموں کو اللہ کے رسولؐ سے محبت کے جذبہ سے بجالاتے، اس لیے یقیناً یہ ان کے لیے باعثِ ثواب ثابت ہوں گے۔ ان شاء اللہ!

۱)...... مشہور تابعی حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

((كُنَّا مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِي سَفَرٍ فَمَرَّ بِمَكَانٍ فَحَادَ عَنْهُ فَسُئِلَ لِمَ فَعَلْتَ فَقَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَعَلَ هٰذَا فَفَعَلْتُ))

''ہم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سفر میں جارہے تھے راستے میں ایک جگہ سے گزرے تو عبداللہ بن عمرؓ راستے سے دور ہٹ گئے۔ ان سے پوچھا گیا: آپ نے ایسے کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا ہے۔ اس لیے میں نے ایسا کیا ہے۔''(۱)

۲)...... اسی طرح ایک اور تابعی ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ

((كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِعَرَفَاتٍ فَلَمَّا كَانَ حِينَ رَاحَ رُحْتُ مَعَهُ حَتّٰى أَتَى الْإِمَامَ فَصَلّٰى مَعَهُ الْأُولٰى وَالْعَصْرَ ثُمَّ وَقَفَ مَعَهُ وَأَنَا وَأَصْحَابٌ لِي حَتّٰى أَفَاضَ الْإِمَامُ فَأَفَضْنَا مَعَهُ حَتّٰى انْتَهَيْنَا إِلَى الْمَضِيقِ دُونَ الْمَأْزِمَيْنِ فَأَنَاخَ وَأَنَخْنَا وَنَحْنُ نَحْسِبُ أَنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُصَلِّيَ فَقَالَ غُلَامُهُ الَّذِي يُمْسِكُ رَاحِلَتَهُ إِنَّهُ لَيْسَ يُرِيدُ الصَّلَاةَ وَلٰكِنَّهُ ذَكَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا انْتَهٰى إِلٰى هٰذَا الْمَكَانِ قَضٰى حَاجَتَهُ فَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَقْضِيَ حَاجَتَهُ))(۲)

---

(۱) [صحيح الترغيب و الترهيب، تحقيق علامه البانيؒ (ح٤٤)]

(۲) [صحيح الترغيب، ايضاً (ح٤٦)]

''میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عرفات میں تھا۔ جب وہ کہیں جاتے تو میں بھی ان کے ساتھ جاتا۔ یہاں تک کہ ہم امام کے پاس پہنچے اور نماز ظہر وعصر[جمع کرکے]اس کے ساتھ ادا کیں۔ پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے وقوف فرمایا،تو میں اور میرے ساتھیوں نے بھی ان کے ساتھ وقوف فرمایا۔ یہاں تک کہ امام[عرفات سے]واپس لوٹا،تو ہم بھی اس کے ساتھ واپس لوٹے یہاں تک کہ اس تنگ راستے پر جا پہنچے جو مازمین مقام سے پہلے واقع ہے۔ وہاں پہنچ کر عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی سواری بٹھا دی، چنانچہ ہم نے بھی اپنی سواریاں بٹھادیں۔ ہمارا خیال تھا کہ اب عبداللہ بن عمر نماز پڑھیں گے لیکن جو خادم ان کی سواری کو چلا رہا تھا، اس نے بتایا کہ عبداللہ بن عمر یہاں نماز نہیں پڑھنا چاہتے بلکہ بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس جگہ پہنچے تھے تو آپؐ یہاں اپنی حاجت ضروریہ سے فارغ ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی جگہ حاجت ضروریہ سے فارغ ہونا پسند کرتے ہیں۔''

۳)......حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

((سَمِعَ ابْنُ عُمَرَ مِزْمَارًا قَالَ فَوَضَعَ إِصْبَعَيْهِ عَلٰى أُذُنَيْهِ وَنَاٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَقَالَ لِیْ يَانَافِعُ! هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا؟ قَالَ فَقُلْتُ لَا قَالَ فَرَفَعَ إِصْبَعَيْهِ مِنْ أُذُنَيْهِ وَقَالَ كُنْتُ مَعَ رسول اللّٰهِ ﷺ فَسَمِعَ مِثْلَ هٰذَا فَصَنَعَ مِثْلَ هٰذَا))

'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بانسری کی آواز سنی تو اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں اور اس راستے سے دور ہٹ گئے، پھر آپ نے مجھ سے پوچھا: نافع! کیا اب کچھ آواز سن رہے ہو؟ میں نے کہا: نہیں، تو پھر انہوں نے اپنی انگلیاں کانوں سے نکالیں اور فرمایا: میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بانسری کی آواز سنی تو ایسے ہی کیا[اس لیے اب میں نے بھی ایسے کیا ہے]''(۱)

۴)......حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

((اَنَّ رَجُلًا عَطَسَ اِلٰى جَنْبِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَيْسَ هٰكَذَا عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَلَّمَنَا اَنْ نَّقُوْلَ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ))

(۱) [ابو داؤد: کتاب الادب ،باب کراھیة الغناء والمزامیر(ح۴۹۱۶)]

''ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس چھینک ماری اور کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ [یعنی ہر حال میں اللہ کا شکر ہے اور اللہ کے رسولؐ پر سلام ہو] حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ تو میں بھی کہتا ہوں [یعنی اس جملے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں] لیکن رسول اللہ ﷺ نے [چھینک کے موقع پر یہ نہیں سکھایا بلکہ آپؐ نے] ہمیں یہ سکھایا ہے کہ ہم اَلْحَمْدُلِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ [یعنی ہر حال میں اللہ کا شکر ہے] کہیں۔''[1]

○ مطلب یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دین کے سلسلہ میں جس موقع پر جو کچھ سکھایا ہے، وہاں وہی کہنا اور وہی کرنا چاہیے، اپنی طرف سے کسی اضافہ یا کمی کے ہم مجاز نہیں۔

۵)......حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ

((عن ابن عُمرؓ اَنَّ رسول اللہ ﷺ قال: لَا تَمْنَعُوْا اِمَآءَ اللّٰہِ اَنْ یُصَلِّیْنَ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ ابْنٌ لَهُ اِنَّا لَنَمْنَعُهُنَّ قَالَ فغضِبَ غَضَبًا شَدِیْدًا وَقَالَ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَتَقُوْلُ اِنَّا لَنَمْنَعُهُنَّ!))

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص اللہ کی بندیوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکے۔'' [یہ حدیث سن کر] حضرت عبداللہؓ کے بیٹے نے کہا ''ہم تو روکیں گے۔'' حضرت عبداللہ سخت غصہ میں آ گئے اور کہنے لگے: ''میں تیرے سامنے حدیثِ رسولؐ بیان کر رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ ہم انہیں ضرور روکیں گے......!''[2]

۶)......حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ

((رَأَیْتُ ابْنَ عُمَرَ یُصَلِّیْ مَحْلُوْلَ اَزْرَارِهٖ فَسَأَلْتُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَفْعَلُهٗ))

''میں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ عبداللہ بن عمر کھلے بٹنوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں، تو میں نے ان سے اس بارے پوچھا [کہ آپؓ نے ایسا کیوں کیا؟] انہوں نے جواب میں کہا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو بھی ایسے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔'' [گویا آنحضرتؐ نے ایسا کیا ہے تو میں نے بھی کیا۔][3]

---

(۱) [جامع ترمذی، کتاب الادب، باب مایقول العاطس اذاعطس (ح۲۷۳۸)]

(۲) [سنن ابن ماجه، المقدمه، باب تعظیم حدیث رسول اللہ......(ح۱۶)]

(۳) [صحیح الترغیب و الترهیب، ازالبانیؒ (ح۴۳)]

حضرت ابوبکرؓ:

۱)..... حضرت عروۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((لَسْتُ تَارِکاً شَیْئاً کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ یَعْمَلُ بِہٖ اِلَّا عَمِلْتُ بِہٖ فَاِنِّیْ اَخْشٰی اَنْ تَرَکْتُ شَیْئاً مِنْ اَمْرِہٖ اَنْ اَزِیْغَ))

''میں کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑ سکتا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کیا کرتے تھے، کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل میں سے کوئی چیز بھی چھوڑوں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔''[۱]

۲)..... میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''جب حضرت ابوبکرؓ کے پاس کوئی جھگڑا پیش ہوتا تو آپؓ اس کے حل کے لیے قرآن مجید پر غور فرماتے، اگر تو قرآن مجید سے رہنمائی مل جاتی تو آپؓ اسی کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔ اگر قرآن مجید اس بارے میں خاموش ہوتا اور سنت سے رہنمائی مل جاتی تو آپ سنتِ رسولؐ کے مطابق فیصلہ فرماتے لیکن اگر کوشش کے باوجود اس بارے میں آپ کے سامنے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت نہ آتی تو آپ لوگوں کو جمع کرتے اور ان سے کہتے کہ میرے سامنے اس طرح کا مسئلہ آیا ہے اگر تم میں سے کسی کو معلوم ہو کہ اللہ کے رسولؐ نے اس بارے میں کوئی فیصلہ فرمایا ہے، تو وہ مجھے بتا دے۔ بعض اَوقات تو ایسے ہوتا کہ جو لوگ آپ کے پاس جمع ہوتے وہ سبھی اس بارے میں بتاتے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مسئلہ میں یہ فیصلہ فرمایا تھا تو حضرت ابوبکرؓ کہتے: ''اللہ کا شکر ہے جس نے ہمارے درمیان ایسے لوگ رکھے جو اپنے نبی کی سنت کی حفاظت فرماتے ہیں۔'' اور اگر اس طریقے سے بھی انہیں سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ ملتی تو پھر وہ چند اہم ترین اور بہترین لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ کرتے اور جب ان کی رائے کسی نکتے پر متفق ہو جاتی تو آپؓ اسی کے مطابق فیصلہ فرما دیتے۔''[۲]

۳)..... حضرت قبیصہ بن ذویب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

((جَاءَتِ الْجَدَّۃُ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ تَسْأَلُہٗ مِیْرَاثَہَا فَقَالَ لَہَا اَبُوْبَکْرٍ مَا لَکِ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ شَیْءٌ وَمَا عَلِمْتُ لَکِ فِیْ سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَارْجِعِیْ حَتّٰی اَسْاَلَ النَّاسَ فَسَأَلَ النَّاسَ فَقَالَ

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الخمس، باب فرض الخمس (ح۳۰۹۳) صحیح مسلم، کتاب الجهاد (۵٤)]

(۲) [سنن دارمی (ج۱ ص۷۰)]

الْـمُـغِيْرَةُ بْنُ شُعْبَةَ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَعْطَاهَا السُّدُسَ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ هَلْ مَعَكَ غَيْرُكَ فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ الْاَنْصَارِيُّ فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُغِيْرَةُ فَاَنْفَذَهُ لَهَا اَبُوْبَكْرٍ الصديق))

''ایک میت کی دادی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئی اور مطالبہ کیا کہ اس میت کی میراث سے اسے حصہ دلوایا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: نہ تو قرآنِ مجید کی رو سے میراث میں تمہارا کوئی حصہ بنتا ہے اور نہ ہی میں نے اس بارے اللہ کے رسول ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے، لہٰذا تم واپس چلی جاؤ، میں اس بارے لوگوں سے مشورہ کروں گا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں سے اس بارے مشورہ کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کہنے لگے کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس موجود تھا کہ آپؐ نے دادی کو چھٹا حصہ دلایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا: کیا اس وقت کوئی اور بھی تمہارے ساتھ موجود تھا؟ تو محمد بن مسلمہ صحابی کھڑے ہوئے اور حضرت مغیرہ کی تائید کرتے ہوئے وہی بات انہوں نے بھی بیان کی۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے میت کی دادی کے لیے چھٹے حصہ کا فیصلہ نافذ فرما دیا۔''[1] [بشرطیکہ میت کی والدہ نہ ہو۔]

حضرت عمرؓ:

۱)......حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ

((ان عمربن الخطاب قَالَ لِلرُّكْنِ اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَاتَضُرُّ وَلَاتَنْفَعُ وَلَوْلَا اَنِّیْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِسْتَلَمَكَ مَااسْتَلَمْتُكَ فَاسْتَلَمَهُ ثُمَّ قَالَ فَمَالَنَا وَلِلرَّمَلِ اِنَّمَا كُنَّا رَاَيْنَابِهِ الْمُشْرِكِيْنَ وَقَدْ اَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ: شَيْءٌ صَنَعَهُ النَّبِيُّ ﷺ فَلَانُحِبُّ اَنْ نَتْرُكَهُ))

''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حجرِ اسود کو مخاطب کر کے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نفع دے سکتا ہے۔ اگر میں نے یہ نہ دیکھا ہوتا کہ نبی کریم ﷺ تجھے ہاتھ لگا کر بوسہ دیتے ہیں تو میں تجھے کبھی بھی نہ چومتا۔''

پھر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اب ہمیں رمل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ رمل تو مشرکوں کو دکھانے کے لیے تھا اور اب تو اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا ہے۔'' پھر خود ہی فرماتے ہیں: ''لیکن رمل تو وہ عمل ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے ادا فرمایا، اس لیے آنحضرتؐ کی یہ سنت چھوڑنا ہمیں پسند نہیں۔''[2]

(۱) [صحیح سنن ابی داؤد، از البانیؒ (ح ۲۸۸۸)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الرمل فی الحج والعمرة (ح ۱۶۰۵) صحیح مسلم (ح ۱۲۷۰)]

۲)......حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ

((کَانَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ یَقُولُ : اَلدِّیَةُ لِلْعَاقِلَةِ وَلَا تَرِثُ الْمَرْأَةُ مِنْ دِیَةِ زَوْجِهَا شَیْئًا حَتّٰی قَالَ لَهُ الضَّحَّاكُ بْنُ سُفْیَانَؓ : کَتَبَ اِلَیَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ اَنْ اُوَرِّثَ امْرَأَةَ اَشْیَمِ الضَّبَابِیِّ مِنْ دِیَةِ زَوْجِهَا فَرَجَعَ عُمَرُؓ))

"حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ دیت صرف والد کے رشتہ داروں کے لیے ہے، لہذا بیوی کو اپنے شوہر کی دیت سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ضحاک بن سفیانؓ نے [جب یہ سنا تو حضرت عمرؓ سے کہا] اللہ کے رسول ﷺ نے تو مجھے یہ پیغام لکھوا کر بھجوایا تھا کہ میں اَشْیَمُ ضَبَابِی کی بیوی کو اس کے شوہر کی دیت سے حصہ دلاؤں۔ چنانچہ [اس سنتِ رسولؐ کا علم ہو جانے کے بعد] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔"[1]

۳)......حضرت مسور بن مخرمۃ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ

((اِسْتَشَارَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ النَّاسَ فِیْ مِلَاصِ الْمَرْأَةِ فَقَالَ الْمُغِیرَةُ بْنُ شُعْبَةَ شَهِدْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَقَضٰی فِیهِ بِغُرَّةٍ عَبْدٍ اَوْ اَمَةٍ قَالَ فَقَالَ عُمَرُؓ : اِئْتِنِیْ بِمَنْ یَشْهَدُ مَعَكَ قَالَ فَشَهِدَ لَهُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَؓ)) وفی روایة:((فَشَهِدَ لَهُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ اَنَّهُ شَهِدَ النَّبِیَّ قَضٰی بِهِ))

"ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پیٹ کے بچے کی دیت کے بارے لوگوں سے مشورہ کیا تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ان سے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سلسلہ میں ایک غلام یا لونڈی دینے کا حکم دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کوئی ایسا بندہ پیش کرو جو [اللہ کے رسولؐ کے اس فیصلہ کے وقت] تمہارے ساتھ حاضر تھا تو محمد بن مسلمہؓ نے حضرت مغیرہ کی اس بات کی تصدیق کی اور کہا کہ میں اس وقت نبی کریمؐ کے پاس موجود تھا۔"[2]

○ چنانچہ اس کے بعد اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنتِ رسول ﷺ کے مطابق فیصلہ فرما دیا۔

۴)......حضرت بجالہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ

((کُنْتُ کَاتِبًا لِجَزْءِ بْنِ مُعَاوِیَةَ عَمِّ الْاَحْنَفِ فَاَتَانَا کِتَابُ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ قَبْلَ مَوْتِهِ

(۱) [صحیح سنن ابی داؤد،از البانیؒ (ح ۲۹۲۱)]

(۲) [صحیح مسلم ،کتاب القسامة،باب دیة الجنین(ح ۱۶۸۳)صحیح بخاری(ح ۶۰۷۸ـ۶۹۰۵)]

بِسَنَةٍ: فَرِّقُوا بَيْنَ كُلِّ ذِي مَحْرَمٍ مِنَ الْمَجُوسِ وَلَمْ يَكُنْ عُمَرُ أَخَذَ الْجِزْيَةَ مِنَ الْمَجُوسِ حَتّٰى شَهِدَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ أَخَذَهَا مِنْ مَجُوسِ هَجَرَ))

''میں اَحنف کے چچا جزبن معاویہ کا سیکٹری تھا۔ ہمیں حضرت عمرؓ کی طرف سے ان کی وفات سے ایک سال قبل ایک دستاویز پہنچی جس میں لکھا تھا کہ جن مجوسیوں نے اپنی محرم عورتوں سے نکاح کر رکھا ہو، ان میں جدائی کروا دو۔ حضرت عمرؓ مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیتے تھے، لیکن جب عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے گواہی دی کہ نبی ﷺ مجوسیوں سے جزیہ لیا کرتے تھے، تو پھر حضرت عمرؓ نے بھی جزیہ لینا شروع کر دیا۔''(1)

حضرت عثمانؓ:

*......کعب بن عجرۃ کی بیٹی زینب فرماتی ہیں کہ

((أَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَهِيَ أُخْتُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَخْبَرَتْهَا أَنَّهَا جَاءَتْ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ تَسْأَلُهُ أَنْ تَرْجِعَ إِلٰى أَهْلِهَا فِي بَنِي خُدْرَةَ فَإِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبُدٍ لَهُ أَبَقُوا حَتّٰى إِذَا كَانُوا بِطَرَفِ الْقَدُومِ لَحِقَهُمْ فَقَتَلُوهُ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَنْ أَرْجِعَ إِلٰى أَهْلِي فَإِنِّي لَمْ يَتْرُكْنِي فِي مَسْكَنٍ يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةٍ قَالَتْ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ نَعَمْ قَالَتْ فَخَرَجْتُ حَتّٰى إِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ أَوْ فِي الْمَسْجِدِ دَعَانِي أَوْ أَمَرَبِي فَدُعِيتُ لَهُ فَقَالَ كَيْفَ قُلْتِ فَرَدَدْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ الَّتِي ذَكَرْتُ مِنْ شَأْنِ زَوْجِي قَالَتْ فَقَالَ امْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا قَالَتْ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَؓ أَرْسَلَ إِلَيَّ فَسَأَلَنِي عَنْ ذٰلِكَ فَأَخْبَرْتُهُ فَاتَّبَعَهُ وَقَضٰى بِهِ))

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن فریعہ بنت مالک بن سنان رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ میں [دورانِ عدت] اللہ کے رسول ﷺ کے ہاں یہ پوچھنے کے لیے آئی کہ آیا میں بنی خدرہ میں اپنے گھر [میکے] جا سکتی ہوں؟ کیونکہ میرے خاوند کے چند غلام بھاگ گئے تھے، وہ انہیں ڈھونڈنے کے لیے نکلے اور جب وہ طرف قدوم مقام پر پہنچے، تو وہاں غلاموں کو پا لیا مگر ان غلاموں نے میرے خاوند کو مار ڈالا چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: کیا میں اپنے گھر [میکے] واپس چلی جاؤں کیونکہ میرا خاوند

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الجزیۃ، باب الجزیۃ والموادعۃ مع اھل الذمۃ والحرب(ح۳۱۵۶،۳۱۵۷)]

(۲) [ابو داؤد، کتاب الطلاق، باب فی المتوفی عنھا تنتقل(ح۲۲۹۷)]

میرے لیے کوئی مکان یا خرچ وغیرہ چھوڑ کر نہیں مرا۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ہاں چلی جاؤ۔ حضرت فریعہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں وہاں سے نکلی، ابھی میں مسجد یا حجرہ ہی میں تھی کہ آپ ﷺ نے مجھے بلایا اور دریافت فرمایا کہ تم نے کیا کہا تھا؟ میں نے اپنے شوہر کے بارے سارا ماجرہ پھر سے بیان کیا تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: عدت پوری ہونے تک اپنے اسی گھر میں ٹھہری رہو [جہاں شوہر نے تمہیں رکھا تھا] چنانچہ پھر میں نے اس گھر میں چار ماہ اور دس دن عدت گزاری۔ اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے میرے پاس پیغام بھیجا اور اس مسئلہ کے متعلق مجھ سے دریافت کیا تو میں نے انہیں یہی بتایا [جو اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا] تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی کے مطابق فیصلہ دیا۔"(۱)

○ دراصل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسی طرح کا ایک مسئلہ پیدا ہوا جس طرح کا مسئلہ حضرت فریعہؓ سے پیش آیا تھا اور اس کا فیصلہ کرنے کے لیے انہوں نے حضرت فریعہ رضی اللہ عنہا کے پاس قاصد بھیجا تا کہ اللہ کے رسول نے فریعہ رضی اللہ عنہا کے بارے جو فیصلہ کیا تھا، وہ خود حضرت فریعہ رضی اللہ عنہا ہی کی زبانی ٹھیک ٹھیک معلوم کیا جائے۔ چنانچہ حضرت فریعہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بارے اللہ کے رسول ﷺ کے فیصلہ سے جب آگاہ کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی سنتِ رسول کی پیروی میں اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

حضرت علیؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ:

*......ابن ابی رافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

((اِسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ اَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ وَخَرَجَ اِلٰى مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا اَبُوْهُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَأَ بَعْدَسُوْرَةِ الْجُمُعَةِ فِى الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ اِذَاجَاءَ كَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالَ فَاَدْرَكْتُ اَبَاهُرَيْرَةَ حِيْنَ انْصَرَفَ فَقُلْتُ لَهُ اِنَّكَ قَرَأْتَ بِسُوْرَتَيْنِ كَانَ عَلِيُّ بْنُ اَبِىْ طَالِبٍ يَقْرَأُ بِهِمَا بِالْكُوْفَةِ فَقَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ: اِنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ))

"مروان نے ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کا [اپنا قائم مقام] گورنر بنایا اور [خود کسی کام سے] مکہ چلے گئے۔ اسی دوران حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں نمازِ جمعہ پڑھائی۔ پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ منافقون تلاوت کی۔ ابن ابی رافع کہتے ہیں کہ نمازِ جمعہ کے بعد میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ آپؓ نے [نماز جمعہ میں] وہی سورتیں تلاوت فرمائی ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ [اپنے دورِ خلافت میں نمازِ جمعہ میں] کوفہ میں پڑھا کرتے تھے۔ ابو ہریرہ

رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دونوں سورتیں نمازِ جمعہ میں پڑھتے سنا ہے۔ [اسی لیے میں نے نمازِ جمعہ میں یہ پڑھی ہیں]''(۱) ظاہر ہے حضرت علیؓ بھی اسی وجہ سے پڑھتے ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ:

۱)......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات لوگوں کو وعظ کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک آدمی ان سے کہنے لگا:

''اے ابوعبدالرحمٰن! [یہ ابن مسعود کی کنیت تھی] میری یہ خواہش ہے کہ آپؓ ہر روز ہمیں وعظ کیا کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''مجھے تمہاری یہ خواہش پوری کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں مگر میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ روزانہ وعظ کے ساتھ تمہیں اُکتاہٹ میں ڈال دوں، اس لیے میں وعظ کے لیے تمہاری فرصت کا وقت تلاش کرتا ہوں جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے فرصت کے اَوقات کا خیال فرماتے تھے تاکہ ہم اُکتا نہ جائیں۔''(۲)

۲)......حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

((لَمَّا اسْتَوٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَوْمَ الْجُمُعَةِ قَالَ: اِجْلِسُوْا فَسَمِعَ ذٰلِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَجَلَسَ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَآہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ: تَعَالَ یَاعَبْدَ اللّٰہِ بْنَ مَسْعُوْدٍ))

''ایک مرتبہ جمعہ کے روز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم [جب خطبہ دینے کے لیے منبر پر] تشریف لائے تو [لوگوں سے] فرمایا: بیٹھ جاؤ! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سنا تو مسجد کے دروازے ہی پر بیٹھ گئے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا: عبداللہ اندر آ جاؤ۔''(۳)

حضرت انس بن مالکؓ:

۱)......نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''ایک مرتبہ میں گلی میں کھڑا تھا کہ عبداللہ بن عمیر کا جنازہ گزرا جس کے ساتھ بہت سے لوگ تھے۔ میں بھی ان میں شریک ہو گیا۔ میت کو رکھا گیا اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے تشریف لائے۔ میں ان کے متصل پیچھے کھڑا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اس میت کے سر کے سامنے

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب مایقرأ فی صلاۃ الجمعة (ح۸۷۷)]
(۲) [صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من جعل لاھل العلم ایاما معلومة (ح۷۰) صحیح مسلم (ح۲۸۷۱)]
(۳) [صحیح سنن ابو داؤد، از البانیؒ (ح۲۰۳)]

کھڑے ہوئے اور چار تکبیروں کے ساتھ نمازِ جنازہ پڑھائی۔آپ نے نہ تو لمبی نماز پڑھائی اور نہ ہی جلد بازی کی۔نماز کے بعد آپ الگ جا بیٹھے۔اسی اثنا ایک انصاریہ عورت کی میت لائی گئی،آپ رضی اللہ عنہ کو اس کی بھی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے کہا گیا۔آپ نے اس کی بھی اسی طرح نمازِ جنازہ پڑھائی جس طرح پہلے مردانہ میت کی پڑھائی تھی مگر اس کے [سر کی بجائے] کمر کے سامنے کھڑے ہوئے۔
ہمارے ساتھ علاء بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا:

((هٰكَذَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يُصَلِّىْ عَلَى الْجَنَازَةِ كَصَلَاتِكَ يُكَبِّرُ عَلَيْهَا اَرْبَعًا وَيَقُوْمُ عِنْدَ رَأْسِ الرَّجُلِ وَعَجِيْزَةِ الْمَرْأَةِ؟ قَالَ نَعَمْ))

''کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح نمازِ جنازہ پڑھاتے تھے جس طرح آپ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی کہ چار تکبیریں کہیں اور مرد کے سر کے پاس جبکہ عورت کے کمر کے سامنے آپ کھڑے ہوئے؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں۔''(۱)

۲)......حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ

''میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون سی دعا سب سے زیادہ پڑھا کرتے تھے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا سب سے زیادہ پڑھتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ آتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ))

''یا اللہ! ہمیں دنیا میں بھی خیر و بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی خیر و بھلائی سے نواز، اور ہمیں آگ کے عذاب سے محفوظ فرما۔''

قتادہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جب بھی دعا کا ارادہ کرتے یہی دعا پڑھتے اور اگر کوئی اور دعا کرنا چاہتے تو تب بھی اس دعا کو اس میں شامل کر لیتے۔''(۲)

۳)......ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

((اِسْتَقْبَلْنَا اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حِيْنَ قَدِمَ مِنَ الشَّامِ فَلَقِيْنَاهُ بِعَيْنِ التَّمْرِ فَرَأَيْتُهُ يُصَلِّىْ عَلٰى حِمَارٍ

(۱) [سنن ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب این یقوم الامام من المیت اذا صلی علیه (ح ۳۱۹۴) ترمذی، کتاب الجنائز (ح ۱۰۳۴) احمد (ج۳ ص ۲۰۴)]

(۲) [صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الدعاء باللهم آتنا في الدنيا...... (ح ۲۶۹۰)]

وَوَجْهُهُ مِنْ ذَا الْجَانِبِ يَعْنِي عَنْ يَسَارِ الْقِبْلَةِ فَقُلْتُ رَأَيْتُكَ تُصَلِّي لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ فَقَالَ لَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَعَلَهُ لَمْ أَفْعَلْهُ))

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ شام سے تشریف لائے تو عَیْن تَمر کے مقام پر ہم نے ان کا استقبال کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ گدھے پر نماز پڑھ رہے ہیں جبکہ اس [گدھے اور آپؓ] کا رُخ قبلہ کی بجائے قبلہ کے بائیں طرف تھا۔ میں نے بعد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ قبلہ کی طرف رُخ کیے بغیر نماز کیوں پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: ''اگر میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو اس طرح نماز پڑھتے نہ دیکھا ہوتا تو میں کبھی ایسے نماز نہ پڑھتا۔''(۱)

○ یعنی اللہ کے رسول ﷺ بھی سواری پر بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ لیتے تھے، اس لیے میں نے بھی آپ ﷺ کی اتباع میں ایسے کیا ہے۔

حضرت ابوطلحہؓ:

*......حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''میں حضرت ابوطلحہؓ کے گھر [ایک محفل میں] لوگوں کو شراب پلا رہا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک منادی کو بھیجا جو کچھ اعلان کر رہا تھا۔ ابوطلحہؓ نے مجھے کہا کہ باہر جا کر سنو یہ کیا اعلان کر رہا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں باہر نکلا اور [صورتِ حال کا جائزہ لینے کے بعد واپس آ کر ابوطلحہ اور ان کی محفل میں شریک باقی صحابہ کو] بتایا کہ منادی یہ اعلان کر رہا ہے کہ ''آگاہ ہو جاؤ! شراب کو حرام کر دیا گیا ہے۔'' چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ جاؤ یہ شراب جا کر بہا دو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ ساری شراب باہر بہا دی اور مدینہ کی گلیوں میں وہ شراب بہنا شروع ہو گئی۔''(۲)

حضرت معاویہؓ:

*......سلیم بن عامر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک

(۱) [صحیح بخاری، کتاب تقصیر الصلاۃ، باب صلاۃ التطوع علی الحمار(ح ۱۱۰۰)صحیح مسلم]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب: لیس علی الذین امنوا وعملوا الصالحات جناح فیما طعموا (ح ۴۶۲۰) صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، باب تحریم الخمر(ح ۱۹۸۰)احمد(ج۳ص ۱۸۱)]

ترکیب سوجھی اور انہوں نے معاہدہ ختم ہونے سے کچھ دن پہلے رومیوں کی طرف لشکرکشی فرمائی تا کہ جوں ہی مدتِ معاہدہ ختم ہو فوراً رومیوں پر یلغار کر دی جائے اور انہیں [بے خبری میں] اپنے دفاع کا موقع ہی نہ دیا جائے۔ اسی دوران ایک گھڑ سوار تکبیریں بلند کرتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ لوگو! وفائے عہد کا مظاہرہ کرو اور دھوکا دہی سے کام نہ لو۔ لوگوں نے توجہ کی تو وہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ صحابی رسولؐ تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا:

((مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَشُدُّ عُقْدَةً وَلَا يَحُلُّهَا حَتّٰى يَنْقَضِيَ أَمَدُهَا أَوْ يَنْبِذَ إِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ))

''جن لوگوں کا کسی قوم کے ساتھ کوئی عہد و پیمان ہو، وہ اس کی مدت ختم ہونے سے پہلے اس کی خلاف ورزی نہ کرے یا پھر اعلانیہ طور پر وہ معاہدہ ختم کر دے۔''

یہ حدیثِ رسولؐ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ راستہ ہی سے واپس لوٹ آئے۔''(۱)

حضرت سعید بن عاصؓ

*......حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نو میتوں کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھی۔ میتوں میں سے مردوں کو امام کی طرف اور عورتوں کو ان کے آگے [یعنی قبلہ کی طرف] ایک ہی صف میں رکھ دیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت کلثوم بنت علیؓ اور ان کے بچے کا جنازہ اکٹھا رکھا گیا۔ اس وقت حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ امام تھے۔ نماز جنازہ میں ابن عمرؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعیدؓ اور ابوقتادہؓ بھی شامل تھے۔ اس بچے کو امام کی طرف [اور عورت کو اس کے پیچھے] رکھا گیا۔ میں نے اسے معیوب سمجھا اور ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، ابوسعیدؓ اور ابو قتادہؓ کی طرف دیکھنے لگا [کہ ایسا کیوں کیا گیا] یہ حضرات کہنے لگے کہ یہی سنت طریقہ ہے۔''(۲)

حضرت عدیؓ بن حاتم:

۱)......تمیم بن طرفہ فرماتے ہیں کہ

(۱) [ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب في الامام يكون بينه وبين العدو عهد......(ح۲۷۵۹)]

(۲) [سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب اجتماع جنائز الرجال والنساء(ح۱۹۸۰)]

''ایک آدمی حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اوران سے اپنے خادم وغیرہ کے اخراجات کے لیے صدقہ مانگا۔ عدیؓ فرمانے لگے کہ اس وقت میرے پاس یہ میری زِرہ اور خَود ہی ہے لہٰذا میں اپنے گھر والوں کی طرف تمہارے لیے رقعہ لکھ دیتا ہوں کہ وہ تمہیں عطیات سے نوازیں۔ لیکن وہ شخص اس بات پر راضی نہ ہوا، چنانچہ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اب میں تمہیں کچھ بھی نہیں دوں گا۔ یہ سن کر وہ آدمی پہلی بات ماننے پر رضا مند ہو گیا تو عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! اگر میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی کہ

''جو شخص کسی کام پر قسم کھائے پھر اس سے زیادہ تقویٰ والا کام دیکھے تو اسے چاہیے کہ تقویٰ والے کام کو ترجیح دے۔'' [اور اپنی قسم توڑ کر کفارہ دے] تو میں اپنی یہ قسم کبھی نہ توڑتا۔''[(۱)]

۲)......ایک اور روایت میں ہے کہ

''ایک شخص نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے سو درہم مانگے تو عدی رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''میں حاتم طائی [عرب کا ایک نامور سخی آدمی] کا بیٹا ہوں اور تم مجھ سے صرف سو درہم مانگتے ہو۔ اللہ کی قسم! میں تمہیں کچھ نہ دوں گا۔'' کچھ دیر بعد عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اگر میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی کہ ''جو شخص قسم کھالے پھر اس کے سامنے اس سے بہتر بات آ جائے تو اسے چاہیے کہ اس بہتر پر عمل کرے۔'' تو میں تمہیں کچھ نہ دیتا۔ پھر انہوں نے کہا کہ اب میں تمہیں چار سو درہم عطیہ کرتا ہوں۔''[(۲)]

حضرت جابر بن سلیمؓ:

*......حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

''میں نے ایک آدمی دیکھا کہ لوگ اس کی رائے کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ وہ جو کچھ کہتا ہے، لوگ اسے قبول کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ اللہ کا رسولؐ ہے۔ چنانچہ میں نے دو مرتبہ کہا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلَيْكَ السَّلَامُ ''اے اللہ کے رسولؐ! آپؐ پر سلامتی ہو''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عَلَيْكَ السَّلَامُ نہ کہو کیونکہ یہ مُردوں کے لیے سلام ہے، لہٰذا تم اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ کہو۔

(۱) [مسلم: کتاب الایمان، باب ندب من حلف یمینا فرأی غیرھا خیرا منھا......(ح-۱۶۵۱)]
(۲) [صحیح مسلم، ایضاً (ح-۱۸، ۱۹: ۱۶۵۱)]

میں نے کہا: کیا واقعی آپ اللہ کے رسولؐ ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''ہاں میں اسی اللہ کا رسولؐ ہوں کہ جسے تم اپنی مصیبت میں پکارتے ہو اور وہی تمہاری مصیبت دور کرتا ہے۔ اگر تمہارے ہاں قحط سالی ہو، تو تم اسے پکارتے ہو اور وہی تمہارے لیے سبزہ اُگاتا ہے اور جب تم کسی صحرا اور جنگل میں اپنی اونٹنی گم کر بیٹھتے ہو اور اس اللہ کو پکارتے ہو اور وہ تمہاری سواری تمہیں واپس لوٹا دیتا ہے۔''

میں نے آپؐ سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے کہا:

((لَا تَسُبَّنَّ اَحَدًا))

''کسی کو گالی نہ دینا۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

((فَمَا سَبَبْتُ بَعْدُ حُرًّا وَلَا عَبْدًا وَلَا بَعِيرًا وَلَا شَاةً))

''اس کے بعد سے آج تک میں نے کسی آزاد، غلام، اونٹ، بکری وغیرہ کو بھی کبھی گالی نہیں دی۔''[1]

حضرت ابوایوب انصاریؓ:

*...... حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ أَكَلَ مِنْهُ وَبَعَثَ بِفَضْلِهِ إِلَيَّ وَإِنَّهُ بَعَثَ إِلَيَّ يَوْمًا بِفَضْلِهِ لَمْ يَأْكُلْ مِنْهَا لِأَنَّ فِيهَا ثُوْمًا فَسَأَلْتُهُ أَحَرَامٌ هُوَ؟ قَالَ: لَا وَلٰكِنِّي أَكْرَهُهُ مِنْ أَجْلِ رِيْحِهِ، قَالَ: فَإِنِّي أَكْرَهُ مَا كَرِهْتَ))

''اللہ کے رسول ﷺ کے پاس جب کھانا لایا جاتا تو آپ ﷺ اس سے تناول فرماتے اور باقی ماندہ میرے پاس بھیج دیتے۔ ایک روز آپ ﷺ نے کھانا کھائے بغیر ہی میری طرف بھیج دیا کیونکہ اس میں [کچا] لہسن تھا تو میں نے آپؐ سے پوچھا: کیا لہسن حرام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں لیکن میں اس کی بو کی وجہ سے اسے پسند نہیں کرتا۔'' یہ سن کر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہا: ''جو چیز آپ ﷺ ناپسند فرماتے ہیں، آج سے میں بھی اسے ناپسند کرتا ہوں۔''[2]

دیگر صحابہ کرامؓ:

آئندہ سطور میں اطاعتِ رسولؐ کے حوالے سے مزید چند ایسے واقعات ذکر کیے جا رہے ہیں، جن کا تعلق

(۱) [ابوداؤد، کتاب اللباس، باب ماجآء فی اسبال الازار (ح ۴۰۸۴)]
(۲) [صحیح مسلم، کتاب الاشربة، باب اباحة اکل الثوم......(ح ۲۰۵۳)]

مجموعی طور پر تمام صحابہؓ سے ہے۔اوران سے یہ بتانا مقصود ہے کہ تمام صحابہ کرامؓ صدقِ دل سے اللہ کے رسول ﷺ کی سنت سے محبت کرتے اور پورے خلوص سے آپؐ کے طریقے پر عمل کرتے تھے:

۱)......حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

((بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّيْ بِأَصْحَابِهٖ اِذْ خَلَعَ نَعْلَيْهِ فَوَضَعَهُمَا عَنْ يَّسَارِهٖ فَلَمَّا رَاٰى ذٰلِكَ الْقَوْمُ اَلْقَوْا نِعَالَهُمْ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَلَاتَهٗ قَالَ: مَا حَمَلَكُمْ عَلٰى اِلْقَاءِ نِعَالِكُمْ قَالُوْا: رَاَيْنَاكَ اَلْقَيْتَ نَعْلَيْكَ فَاَلْقَيْنَا نِعَالَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ جِبْرِيْلَ اَتَانِيْ فَاَخْبَرَنِيْ اَنَّ فِيْهِمَا قَذَرًا اَوْقَالَ اَذًى وَقَالَ: اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيَنْظُرْ فَاِنْ رَاٰى فِيْ نَعْلَيْهِ قَذَرًا اَوْ اَذًى فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيْهِمَا))

''ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے صحابہ کو نماز پڑھا رہے تھے کہ دورانِ نماز آپ ﷺ نے اپنے جوتے اتار کر بائیں جانب رکھ دیے۔ جب صحابہ کرامؓ نے دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار دیے۔ پھر جب رسول اللہ ﷺ نے نماز ختم کی تو دریافت فرمایا: تم لوگوں نے اپنے جوتے کیوں اتار دیے تھے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: ''ہم نے چونکہ آپ ﷺ کو جوتے اتارتے دیکھا تھا، اس لیے ہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے تو جبریلؑ نے آ کر بتایا تھا کہ میرے جوتوں میں گندگی یا کوئی تکلیف دہ چیز لگی ہوئی ہے [میں نے تو اس لیے جوتے اتارے تھے] پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آئے تو پہلے اپنے جوتے اچھی طرح دیکھ لے۔ اگر ان میں کوئی غلاظت لگی ہو تو اسے صاف کر کے پھر ان میں نماز پڑھے۔''(۱)

○ جوتوں سمیت نماز پڑھنا واجب نہیں بلکہ مباح [جائز] ہے اور یہ حکم قیامت تک کے لیے باقی ہے، لہٰذا حالات اور موقع و محل کی مناسبت سے اس پر عمل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ جوتے پاک ہوں اور غلاظت ہی نہیں بلکہ تکالیف دہ چیز سے بھی صاف ہوں۔ اور یاد رہے کہ یہ مباح عمل کسی کو آپ کے ساتھ فرض نماز پڑھنے سے روک نہ دے۔ اس لیے اس مسئلہ میں حکمت کے تقاضے مدنظر رہنے چاہییں۔

۲)......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

((اِتَّخَذَ النَّبِيُّ ﷺ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: اِنِّيْ

(۱) [سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی النعل (ح ٦٤٦)]

اتَّخَذْتُ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ فَنَبَذَهُ وَقَالَ اِنِّیْ لَنْ اَلْبِسَهُ اَبَدًا فَنَبَذَالنَّاسُ خَوَاتِیْمَهُمْ))

''حضور نبی کریم ﷺ نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی تو آپؐ کے صحابہؓ نے بھی آپ ﷺ کی اتباع میں سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی [اور مجھے منع کردیا گیا] چنانچہ آپ ﷺ نے وہ انگوٹھی اتار پھینکی اور فرمایا: ''اب میں کبھی سونے کی انگوٹھی استعمال نہیں کروں گا۔'' چنانچہ صحابہ کرامؓ نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں۔''(۱)

○ نبی کریمؐ نے اس وقت سونے کی انگوٹھی بنوائی جب اس کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، آپ کی پیروی میں صحابہؓ نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں مگر جب مردوں کے لیے سونے کی حرمت کا حکم نازل ہو گیا، تو آپؐ نے سونے کی انگوٹھی اتاردی۔ صحابہؓ نے بھی آپؐ کی اتباع میں سونے کی انگوٹھیاں اُتار پھینکیں۔ یہ تھی ان کی اطاعت اور نبیؐ سے سچی محبت، کہ جب اور جیسے اللہ کے رسول کو کرتے دیکھا ویسے ہی کرتے چلے گئے......!

۳)......حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

''اللہ کے رسول ﷺ ایک مسلمان شخص کی تیمارداری کے لیے گئے، دیکھا تو وہ انتہائی لاغر اور چوزے کی طرح کمزور ہو چکا ہے۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا تم نے کوئی خاص دعا کی ہے؟'' اس نے کہا: ہاں، میں نے یہ دعا کی تھی: ''یااللہ! تو نے آخرت میں جو سزا میرے لیے مقرر کی ہے، وہ اس دنیا ہی میں مجھے دے دے۔'' تو اللہ کے رسول ﷺ نے کہا: سبحان اللہ! تم تو اس [سزا کو برداشت کرنے] کی طاقت ہی نہیں رکھتے۔ آخر تم نے یہ دعا کیوں نہ کی: ''یااللہ! مجھے دنیا میں بھی خیر و بھلائی سے نواز اور آخرت میں بھی میرے ساتھ اچھا سلوک کر۔'' راویِ حدیث فرماتے ہیں کہ اس شخص نے پھر وہ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا فرمادی۔''(۲)

○ یعنی اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے جب اس نے آپ کی بتائی ہوئی دعا مانگی تو اسے نجات ملی اور اگر وہ آپ کی بتائی ہوئی دعا نہ پڑھتا تو نہ جانے کب تک اسی مصیبت میں مبتلا رہتا......!

......☆......

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بافعال النبیؐ(ح۷۲۹۸)]

(۲) [صحیح مسلم، کتاب الذکر، باب کراهة الدعاء بتعجیل العقوبة فی الدنیا(ح۲٦۸۸)]

[5].....صحابیاتؓ اور اطاعتِ رسول ﷺ

حضرت ام حبیبہؓ:

*......حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ فرماتی ہیں کہ

''حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد میں ان کے ہاں گئی تو ام حبیبہؓ نے خوشبو[اور تیل وغیرہ] منگوا کر اپنی بچی کو لگایا اور اس کے رخساروں پر بھی مل دیا پھر فرمانے لگیں: اللہ کی قسم! اس خوشبو کی کوئی ضرورت نہ تھی، میں نے تو اس لیے ایسا کیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے: ''کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرے۔''(۱) [گویا یہ آنحضرتؐ کے اسی ارشاد کی تعمیل ہے۔]

حضرت زینب بنت جحشؓ:

*......زینب بنت ابی سلمہ فرماتی ہیں کہ

''جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا بھائی فوت ہوا تو میں ان کے ہاں گئی۔ انہوں نے خوشبو منگوا کر استعمال کی پھر کہا: ''اللہ کی قسم! مجھے اس خوشبو کی کوئی ضرورت نہ تھی لیکن میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا ہے: ''کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے البتہ اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرے۔''(۲)

○انہوں نے آنحضرتؐ کے ایک ارشاد کی تبلیغ کے لیے ایسا کیا تا کہ دیگر خواتین کو بھی اس کا علم ہو جائے۔

حضرت عائشہؓ:

*......ایک مرتبہ ایک لڑکی حضرت عائشہؓ کے گھر میں گھنگرو پہنے ہوئے داخل ہوئی، گھنگرو کی آواز سننے کے ساتھ ہی حضرت عائشہؓ بولیں کہ گھنگرو پہنے ہوئے یہ میرے پاس نہ آنے پائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس گھر میں اس قسم کی آوازیں آتی ہیں، اس میں فرشتے نہیں آتے۔(۳)

(۱) [ابو داؤد، کتاب الطلاق، باب احداد المتوفی عنھا زوجھا(ح ۲۲۹۶)] (۲) [ایضاً] (۳) [احمد(ج ۶ ص ۲۴۲)]

حضرت اسماءؓ:

*......حضرت اسماء رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے مدینہ آئیں تو ان کی والدہ جو کافرہ تھیں، ان کے پاس آئیں اور ان سے مالی مدد مانگی۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ کیا وہ ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں! چنانچہ انہوں نے ان کی مدد کی۔ (۱)

دیگر صحابیاتؓ:

۱)......عمرو بن شعیبؒ اپنے والد شعیب بن محمدؒ اور شعیبؒ اپنے دادا عبداللہ بن عمروؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ''ایک عورت اپنی بیٹی کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور اس کی بیٹی کے ہاتھوں میں سونے کے دو موٹے کنگن تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تم ان کی زکاۃ ادا کرتی ہو؟ اس نے جواب دیا: نہیں، تو آپؐ نے فرمایا: کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں روزِ قیامت ان کنگنوں کے بدلے آگ کے کنگن پہنا دے؟ تو اس نے وہ کنگن اتار کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ڈال دیے اور کہا کہ میں انہیں اللہ اور اس کے رسول کے لیے پیش کرتی ہوں۔'' (۲) [کہ آپؐ اللہ کی راہ میں اسے خرچ کر دیں]

۲)......ایک صحابیہ کا بچہ مر گیا اور وہ اس پر بین کر رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا تو آپؐ نے اس سے فرمایا: ''خدا سے ڈرو اور صبر کرو۔'' وہ صحابیہ بولیں کہ تمہیں میری مصیبت کی کیا پروا ہے؟ آپؐ چلے گئے تو لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ چنانچہ وہ دوڑی ہوئی آنحضرتؐ کے پاس آئیں اور معذرت کرتے ہوئے کہا کہ میں نے حضور کو نہیں پہچانا تھا۔'' (۳)

۳)......ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکل رہے تھے، دیکھا کہ راستے میں مرد عورت مل جل کر چل رہے ہیں۔ آپؐ نے عورتوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: ''تم پیچھے رہو، وسطِ راہ سے نہ گزرو۔'' اس کے بعد عورتوں کا یہ حال ہو گیا کہ گلی کے کنارے سے اس طرح لگ کر چلتی تھیں کہ ان کے کپڑے دیواروں سے اُلجھ جاتے تھے۔ (٤)

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ]

(۲) [ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، باب الکنز ماھو(ح۱۵٦۳)نسائی (ح۲٤۷۹)احمد(۱۷۸/۲) بیھقی(۱٤۰/٤)]

(۳) [سنن ابوداؤد، کتاب الجنائز]

(٤) [ابوداؤد۔ صحابیاتؓ کے بارے اس طرح کی مزید معلومات کے لیے ہماری کتاب: ھدیة النساء کا مطالعہ مفید رہے گا۔]

[6].....اطاعتِ رسولؐ میں سستی اور غفلت دکھانے والے کیساتھ صحابہ کا رویہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کے رسول ﷺ کے ہر قول و فعل کی حد درجہ تعظیم کرتے اور اس پر نہ صرف خود عمل پیرا ہوتے بلکہ دوسروں کو بھی اس پر عمل کی رغبت دلاتے۔ اور اگر کوئی شخص اطاعتِ رسولؐ میں سستی دکھاتا یا سنت کے مقابلہ میں اپنی رائے کو مقدم سمجھتا یا خلافِ سنت کوئی عمل کرتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے سخت ناپسند کرتے اور اس کی غلطی پر اسے ٹوکتے اور اصلاح فرماتے۔ اس سلسلہ کے چند واقعات ذیل میں ملاحظہ فرمایئے:

۱).....حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے دور میں کوئی صاحب گھر میں نماز پڑھتے اور مسجد میں آنا ضروری نہ سمجھتے جب آپ کو پتہ چلا تو آپ سخت ناراض ہوئے اور لوگوں سے کہا:

((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَلْقَى اللّٰهَ تَعَالٰى غَدًا مُسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰؤُلَاءِ الصَّلَوَاتِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ فَإِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدٰى وَإِنَّهُنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهِ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ))

''تم میں سے جو شخص قیامت کے روز مسلمان کی حیثیت سے اللہ کے حضور پیش ہونا پسند کرتا ہے تو پھر اسے چاہیے کہ جہاں نماز کے لیے اذان دی جائے، ان نمازوں کی حفاظت کرتے ہوئے وہاں پہنچے۔ [یعنی مسجد میں باجماعت نماز ادا کرے] اللہ نے اپنے نبی کو ہدایت کے راستے بتائے اور انہیں دین بنا دیا اور یہ بھی ہدایت کے راستوں میں سے ایک راستہ ہے۔ اگر ان صاحب کی طرح تم بھی گھروں میں نماز پڑھنا شروع کر دو تو پھر تم نے گویا اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دیا اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دیا تو پھر یاد رکھو کہ تم گمراہ ہو جاؤ گے۔''[۱]

۲).....حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث بیان فرمائی:

((لَا تَمْنَعُوْا إِمَاءَ اللّٰهِ أَنْ يُصَلِّيْنَ فِي الْمَسْجِدِ))

''اللہ کی بندیوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکو۔''

---

[۱] [صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب صلاۃ الجماعۃ من سنن الھدی (ح ٦٥٤)]

تو حضرت عبداللہؓ کے ایک بیٹے نے کہا: ''ہم تو روکیں گے۔'' حضرت عبداللہ سخت غصہ میں آ گئے اور کہنے لگے: ''میں تیرے سامنے حدیثِ رسولؐ بیان کر رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ ہم انہیں ضرور روکیں گے۔''(۱)

○ اللہ کے رسولؐ کے دور میں صحابیات بھی مسجد میں نماز کے لیے حاضر ہوا کرتی تھیں اور اس کی اجازت خود نبی کریمؐ نے انہیں دے رکھی تھی مگر آپؐ کے بعد جب حالات بدل گئے اور عورتوں کا مسجد میں آنا فتنے کا باعث بننے لگا تو بعض صحابہ خواتین کے لیے مسجد میں آ کر نماز پڑھنے کو ناپسند کرنے لگے حتی کہ حضرت عائشہؓ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اگر اللہ کے رسولؐ زندہ ہوتے اور عورتوں کا موجودہ طرزِ عمل دیکھتے تو انہیں ضرور مسجد آنے سے روک دیتے۔ اس لیے حضرت عبداللہؓ کے بیٹے نے بھی اسی وجہ سے یہ بات کہی کہ ہم عورتوں کو مسجد جانے سے روکیں گے لیکن حضرت عبداللہؓ نے اس کی اس بات پر غصہ کیا۔ شاید اس لیے کہ ایک طرف حدیث کا مسئلہ ہے اور دوسری طرف حالات کا مسئلہ۔ حدیث کو چھوڑ دینے سے بہتر ہے کہ حالات کو درست کرنے کی کوشش کی جائے اور انسدادی تدابیر اختیار کی جائیں۔

۳)..... حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کے بارے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ان کا بھتیجا ان کے پہلو میں بیٹھا کنکریاں پھینک رہا تھا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اسے منع کیا اور یہ بھی کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کرنے سے منع فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

((إِنَّهَا لَا تَصِيدُ صَيْدًا وَلَا تَنْكِي عَدُوًّا وَإِنَّهَا تَكْسِرُ السِّنَّ وَتَفْقَأُ الْعَيْنَ))

''کنکریاں پھینکنے سے نہ تو شکار ہو سکتا ہے اور نہ دشمن کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہے، البتہ اس سے [کسی جانور یا پرندے کا] دانت ٹوٹ سکتا ہے یا آنکھ پھوٹ سکتی ہے۔'' [جو اسے اذیت دینے والی بات ہے] [یہ حدیث سننے کے باوجود ان کے] بھتیجے نے دوبارہ کنکریاں پھینکنا شروع کر دیں، تو حضرت عبداللہ نے کہا: میں تمہیں حدیث سنا رہا ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور تم اس کے باوجود وہی کام کر رہے ہو، لہٰذا میں اب کبھی تم سے بات نہیں کروں گا۔''(۲)

۴)..... ابن شہابؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت سالمؒ نے بیان کیا کہ عبداللہ بن زبیرؓ کے خلاف فوج کشی

(۱) [سنن ابن ماجه، المقدمه، باب تعظیم حدیث رسول الله...... (ح ۱٦)]

(۲) [سنن ابن ماجه، ایضاً (ح ۱۷)]

کرتے ہوئے جس سال حجاج بن یوسف مکہ آیا تو اس نے عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ آپ عرفہ کے دن وقوف کے وقت کیا کرتے ہیں؟ سالم کہتے ہیں کہ [ابن عمرؓ کے جواب دینے سے پہلے ہی] میں نے کہہ دیا کہ ''اگر تم سنت پر عمل کرنا چاہتے ہو تو عرفہ کے دن دوپہر ڈھلتے ہی نمازِ ظہر پڑھ لینا''۔ تو عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ''سالم نے صحیح کہا ہے۔ صحابہ کرام آنحضرت ﷺ کی سنت کے مطابق ظہر اور عصر ایک ساتھ پڑھ لیتے تھے۔''

ابن شہابؒ کہتے ہیں کہ میں نے سالم سے پوچھا: کیا اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اس طرح [ظہر اور عصر کو جمع] کیا تھا؟ تو حضرت سالمؒ نے فرمایا: ''اس مسئلہ میں اور کسی کی سنت پر تم عمل کرتے ہو؟'' [یعنی اللہ کے رسولؐ نے ایسا کیا تھا تو ہم ایسے کرتے ہیں!]

صحیح بخاری کے بعض نسخوں کے مطابق حضرت سالمؒ نے ابن شہاب کو یہ کہا تھا:

''صحابہ کرامؓ اللہ کے رسول ﷺ ہی کی سنت پر تو عمل کیا کرتے تھے......!''(۱)

○ حجاج کے جواب میں سالمؒ نے جب یہ کہا کہ ''اگر تم سنت پر عمل کرنا چاہتے ہو......'' تو سالمؒ سے یہ واقعہ سننے والے راوی ابن شہاب کو یہ تردد ہوا کہ سنت سے مراد نبی کریمؐ کی سنت ہے یا آپؐ کے صحابہ کی اور اسے رفع کرنے کے لیے انہوں نے فوراً پوچھا کہ ''کیا اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اس طرح کیا تھا؟'' تو سالم نے کہا کہ صحابہ کرامؓ ایسا ہی کرتے تھے اور وہ تب ہی ایسا کر سکتے تھے کہ جب اللہ کے رسولؐ نے ایسا کیا ہو کیونکہ صحابہ کرامؓ اللہ کے رسول ﷺ ہی کی سنت پر تو عمل کیا کرتے تھے......!

۵)......ابوعبیدہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوئے اور ام الحکم کا بیٹا عبدالرحمان بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((اُنْظُرُوْا اِلٰی ھٰذَا الْخَبِیْثِ یَخْطُبُ قَاعِدًا وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی ﴿ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا نِ انْفَضُّوْا اِلَیْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا﴾(۲)

''اس خبیث کی طرف دیکھو کہ بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے [اپنے پیغمبرؐ کے بارے قرآن میں] ارشاد فرمایا ہے: ''جب لوگوں نے خرید و فروخت یا کھیل کود دیکھا تو اس طرف دوڑ نکلے اور تجھے

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الجمع بین الصلاتین بعرفة(ح۱٦٦٢)]

(۲) [صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة والجمعة(ح۸٦٤)]

کھڑا ہوا چھوڑ گئے۔''

○ نبی کریمؐ جمعہ کا خطبہ ہمیشہ کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کرتے تھے اور یہی آپ کی سنت ہے لیکن جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے اور اسے کوئی مجبوری اور عذر بھی نہیں تو حضرت کعبؓ نے اس کے اس عمل پر سخت نکیر فرمائی اور بلا دلیل بات نہ کی بلکہ اپنے موقف کی تائید کے طور پر قرآن مجید کی آیت پڑھ کر سنائی۔

۶)......حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ یہ حدیث روایت کی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ((اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ))

''حیا تو ساری کی ساری [نری] بھلائی ہے۔''

تو بشیر بن کعبؒ کہنے لگا کہ ہم نے بعض کتابوں میں یا دانائی کی باتوں میں یہ پڑھا ہے کہ حیا دو طرح کی ہے: ایک قسم تو واقعی اللہ کے حضور باعثِ سکینت و وقار ہے جبکہ دوسری قسم بودی اور کمزور ہے۔ یہ سن کر حضرت عمران رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آ گیا حتی کہ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور وہ کہنے لگے کہ میں تمہارے سامنے حدیثِ رسولؐ بیان کر رہا ہوں اور تم اس کے خلاف حجت بازی کر رہے ہو۔ راویِ حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے پھر وہی حدیث پڑھ کر سنائی جبکہ ادھر بشیر بن کعب نے بھی اپنی وہی بات دہرا دی، اب تو حضرت عمران رضی اللہ عنہ اور غضب ناک ہو گئے [اور قریب تھا کہ وہ بشیر بن کعب کو سزا دیتے] مگر ہم سب نے حضرت عمرانؓ سے مسلسل یہ کہنا شروع کر دیا کہ بشیر بن کعب ہمارا مسلمان ساتھی ہے اور اس میں کوئی ایسی ویسی [منافقت یا کفر والی] بات نہیں، [لہٰذا اسے معاف کر دیجیے]۔''(۱)

○ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں دین ہی نہیں حکمت و دانش کی گہری باتیں بھی ملتی ہیں اور یہ باتیں مبنی بر وحی ہونے کی وجہ سے کبھی غلط نہیں ہو سکتیں جب کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کے کسی بڑے سے بڑے دانشور کی بات صحیح بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی۔ اگر کسی حکیم و دانا کی کوئی بات کسی حدیث کے خلاف ہو تو اس کی بات ہی چھوڑی جائے گی، حدیث نہیں چھوڑی جائے گی بشرطیکہ وہ حدیث محدثانہ اُصولوں کے مطابق مستند ہو۔ مذکورہ بالا واقعہ سے ہمیں یہی سبق حاصل ہوتا ہے۔

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان عدد شعب الایمان و افضلها وادناها وفضیلة الحیاء(ح۳۷)]

[7].....تابعینؒ، تبع تابعینؒ، ائمہ کرامؒ اور اطاعتِ رسول ﷺ

تابعینؒ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان کی حالت میں اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ کو دیکھا اور ان سے دین وشریعت کا علم حاصل کیا۔ اور تبع تابعین وہ ہیں جنہوں نے ایمان کی حالت میں تابعین کو دیکھا اور ان سے دین وشریعت کا علم حاصل کیا۔ جس طرح صحابہ کرامؓ اللہ کے رسولؐ کی سنت کے سچے پیروکار تھے، اسی طرح تابعینؒ میں بھی اطاعتِ رسولؐ کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور آگے یہی جذبہ تبع تابعین، محدثین، مفسرین اور فقہاءِ اسلام میں منتقل ہوتا چلا گیا۔ اگرچہ وقت کے ساتھ ساتھ اس جذبے میں کمی آنا شروع ہوگئی تاہم مجموعی طور پر خیر القرون میں سنتِ رسولؐ سے محبت اور اطاعتِ رسول کا جذبہ نمایاں طور پر موجود رہا۔ یہاں اس کی تفصیل کی ضرورت ہے نہ موقع، البتہ بطورِ مثال چند ایک واقعات ذکر کیے جارہے ہیں:

حضرت علی بن حسینؒ [تابعی]

*......سعید بن مرجانہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''جو مسلمان کسی غلام کو آزاد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو جہنم کی آگ سے محفوظ فرما دیں گے۔'' سعید بن مرجانہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب ابو ہریرہؓ سے میں نے یہ حدیث سنی تو سننے کے بعد میں علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ [زین العابدین] کے پاس گیا اور ان سے یہی حدیث بیان کی تو انہوں نے فوراً اپنا ایک غلام آزاد کر دیا جبکہ وہ غلام انہوں نے ابن جعفرؓ سے دس ہزار درہم کا خریدا تھا۔''[1]

سعد بن ہشام بن عامرؒ [تابعی]

*......سعد بن ہشام بن عامرؒ نامی ایک تابعی کو جہاد کا شوق پیدا ہوا چنانچہ اس نے اپنی بیوی کو اس راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہوئے طلاق دے دی اور ارادہ کر لیا کہ گھر کا سارا ساز وسامان بھی بیچ دے گا اور اس کے بدلے جہاد کا سامان [اسلحہ وغیرہ] خرید کر ملکِ روم کی طرف چلا جائے گا اور مرتے دم تک وہیں جہادی

(۱) [صحیح مسلم: کتاب العتق، باب فضل العتق (ح ۱۵۰۹)]

سرگرمیوں میں مصروف رہے گا۔ جب وہ مدینہ میں آیا اور وہاں لوگوں سے ملاقات میں اس نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو ان لوگوں نے اسے ایسے کرنے سے منع کیا اور اسے بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں بھی چھ لوگوں کے ایک گروہ نے یہی کام کرنا چاہا تھا جو تم کر رہے ہو مگر اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں ڈانٹتے ہوئے منع کر دیا اور فرمایا: ((أَلَيْسَ لَكُمْ فِيَّ أُسْوَةٌ؟))

''کیا میں تمہارے لیے نمونہ بنا کر نہیں بھیجا گیا؟'' [یعنی میں نے اس مقصد کے لیے نہ بیویوں کو طلاق دی اور نہ گھریلو ساز و سامان بیچا تو پھر تم آخر ایسا کیوں کر رہے ہو؟!]

جب لوگوں نے اس سعد بن ہشام کو یہ حدیث سنائی تو اس نے اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کر لیا۔ (۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ:

*......ابوصلت فرماتے ہیں کہ کسی آدمی نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو خط لکھا جس میں اس نے تقدیر کے بارے میں کوئی سوال کیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جواب دیتے ہوئے یہ لکھا کہ

((أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالْإِقْتِصَادِ فِي أَمْرِهِ وَاتِّبَاعِ سُنَّةِ نَبِيِّهِ وَتَرْكِ مَا أَحْدَثَ الْمُحْدِثُونَ بَعْدَ مَا جَرَتْ بِهِ سُنَّتُهُ وَكُفُوا مُؤْنَتَهُ فَعَلَيْكَ بِلُزُومِ السُّنَّةِ فَإِنَّهَا لَكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ عِصْمَةٌ))

''میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا ڈر [تقویٰ] پیدا کرو، معاملات میں میانہ روی اختیار کرو، اپنے نبیؐ کی سنت کی پیروی کرو اور سنت کے مقابلے میں لوگوں نے جو نئی چیزیں پھیلا رکھی ہیں، ان سب سے بچو۔ اگر سنت کی پیروی کرو گے تو اللہ کے حکم سے یہ تمہیں گمراہ ہونے سے بچائے رکھے گی۔'' (۲)

ائمہ اربعہؒ:

تمام ائمہ کرامؒ نے اپنے معتقدین کو ہمیشہ یہی تلقین کی ہے کہ دین میں اصل معیار قرآن اور حدیث ہے، لہٰذا ہماری رائے اگر قرآن یا حدیث کے خلاف دکھائی دے تو اسے چھوڑ دینا اور قرآن و حدیث پر عمل کرنا۔ اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے حوالے سے بھی یہی بات منقول ہے، چنانچہ محترم شاہ ولی اللہؒ رقم طراز ہیں کہ:

''امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ''کسی شخص پر جب یہ بات واضح ہو جائے کہ میری اجتہادی رائے حدیثِ رسولؐ کے خلاف ہے تو میری رائے کو دیوار پر پھینک مارو اور حدیث پر عمل کرو۔''

(۱) [صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب جامع الصلاة الليل ومن نام عنه او مرض (ح٧٤٦)]

(۲) [ابو داؤد: كتاب السنة، باب من دعا الى السنة (ح٤٦٠١-٤٦١٢)]

امام مالک بن انسؒ کا قول ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت کے علاوہ ہر چیز کو رد کیا جا سکتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے کلام کے علاوہ کوئی ایسا کلام نہیں جس کے ترک کرنے پر مؤاخذہ کیا جا سکے۔''

امام ابوحنیفہؒ نے بھی وہی کہا جو شافعیؒ اور مالکؒ نے کہا اور ان سے آگے بڑھ کر یہ بھی کہا کہ: ''جو شخص میری اجتہادی رائے کی دلیل سے واقف نہیں ہے، اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ میرے اقوال اور اجتہادی آراء کی بنیاد پر فتویٰ دے۔''

امام احمد بن حنبلؒ نے کہا: ''نہ میری تقلید کرو نہ مالک کی، نہ کسی اور کی، اپنے مسائل کا حکم قرآن اور سنتِ رسولؐ سے تلاش کرو۔ ان حضرات نے بھی مسائل کے اَحکام قرآن و سنت ہی سے اخذ کیے ہیں۔''(۱)

○ دین کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن اور سنتِ رسولؐ پر عمل کیا جائے۔ لیکن ظاہر ہے ہر شخص براہِ راست قرآن وسنت کے اَحکام از خود معلوم نہیں کر سکتا بلکہ کسی نہ کسی سطح پر وہ اہل علم کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لیے علماء وفقہاء اور دینی علوم کے ماہرین کی ضرورت ہمیشہ باقی رہتی ہے۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ ایک شخص نے جس عالم دین کو قریب سے دیکھا، اس کے علم وبصیرت کا جائزہ لیا، اس کے دین وتقویٰ کا مشاہدہ کیا یا غیبی طور پر اس کے بارے ان سب چیزوں کو سنا، یا پڑھا ہو اور اس سے متاثر ہوا ہو تو وہ دینی مسائل میں اس کے علم وتحقیق پر اعتماد کرتا ہے جبکہ ضروری نہیں کہ کوئی اور شخص بھی اسی عالم دین سے اتنا ہی متاثر ہو جتنا وہ ہوا ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے نزدیک کوئی اور عالم دین اس سے زیادہ قابل اعتماد ہو۔ لیکن ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے اگر یہ اصرار شروع کر دے کہ وہ دینی مسائل میں میرے قابل اعتماد عالم ہی کی آراء وافکار کو اپنائے تو یہ سراسر ایک غیر فطری اِصرار ہے جس کا نتیجہ باہمی اُلجھاؤ کے سوا اور کچھ نہیں۔ البتہ اگر انہی میں سے ایک کا دوسرے کے سامنے یہ دعویٰ ہو کہ فلاں مسئلہ میں تمہارے عالم وفقیہ کی لاعلمی یا غلط فہمی ہے اور ان کی رائے فلاں حدیث سے صریح طور پر ٹکراتی ہے تو پھر اس کی بات یقیناً قابلِ غور ہے۔ ایسے موقع پر تحقیق کی جانی چاہیے اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ واقعی اس مسئلہ میں اس عالم کی رائے کمزور ہے یا کسی صحیح حدیث کے منافی ہے تو پھر اس مسئلہ میں اس کی رائے چھوڑ کر صحیح حدیث سے ثابت ہونے والی یا سنت سے زیادہ قریب دکھائی دینے والی رائے کو اختیار کر لینا چاہیے کیونکہ ہم نے کسی عالم وفقیہ کا کلمہ نہیں پڑھا کہ اس کی ہر بات ماننا ہم پر لازم ہو لیکن جو اسے ہر صورت لازم سمجھے اور اندھی تقلید اختیار کرے اس کا رویہ قطعی غلط ہے۔

(۱) [عقد الجید، اَز: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ترجمہ اَز: ڈاکٹر محمد میاں صدیقی (ص ۱۵۸) شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد]

[8].....رائے واجتہاد اور حدیث وسنت

رائے واجتہاد کی ضرورت واہمیت:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ دینِ اسلام قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لیے اللہ کا آخری دین ہے جو قرآن وحدیث کی شکل میں محفوظ کر دیا گیا۔ اور اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ قیامت تک بے شمار نت نئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے۔ پھر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ قرآن وحدیث میں کلیات سے لے کر جزئیات تک ہر پیش آنے والا مسئلہ پہلے ہی اچھی طرح واضح کر کے بتا دیا گیا ہے۔ اور اس سے بھی مجال انکار نہیں کہ مسلمان ہونے کے ناطے ہر مسئلہ میں ہمیں قرآن وحدیث [دین] ہی کی پیروی کرنا ہے، چنانچہ ہمارے دین نے نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا۔ اور اجتہاد یہ ہے کہ پیش آمدہ مسائل میں قرآن وحدیث کے نصوص ہی کی روشنی میں ایسا حل نکالا جائے جو منشاءِ الٰہی اور قرآن و حدیث کے منافی نہ ہو بلکہ ان کے تابع ہو۔

دین میں رائے واجتہاد کا اصل مقام:

ظاہر ہے اجتہاد کا یہ عمل وہی لوگ انجام دے سکتے ہیں جو دینی علوم میں بھی وسیع مہارت رکھتے ہوں اور پیش آمدہ مسائل کی واقعاتی صورتحال کو بھی صحیح طور پر سمجھتے ہوں۔ لیکن از راہِ اجتہاد وہ جو کچھ کہیں گے، وہ قرآن وحدیث نہیں بن جائے گا اور نہ ہی وہ قرآن وحدیث کی طرح مقدس سمجھا جائے گا بلکہ وہ اجتہاد کرنے والوں ہی کی طرف منسوب ہوگا کیونکہ وہ ان کی ذاتی آراء ہیں، جو درست بھی ہوسکتی ہیں اور غلط بھی۔ لیکن ان کے غلط ہونے کے باوجود اجتہاد کرنے والوں کو اجر ملے گا بشرطیکہ وہ پوری خیر خواہی اور نیک نیتی کے ساتھ اجتہاد کریں، اور اگر ان کا اجتہاد اللہ تعالیٰ کے ہاں درست ہوا تو پھر انہیں دوگنا اجر ملے گا؛ ایک اجتہاد کرنے کا اور دوسرا اس کے صحیح ہونے کا۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ))[1]

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب اجر الحاکم اذا اجتہد فاصاب او اخطأ (ح ۷۳۵۲)]

''جب فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرتے ہوئے اجتہاد کرے اور درستگی کو پہنچ جائے تو اس کے لیے دوگنا اَجر ہے اور اگر وہ اجتہاد کرنے میں غلطی کر جائے تو پھر بھی اس کے لیے ایک اَجر ہے۔''

لیکن ایک ایسا شخص جسے معلوم ہو جائے کہ فلاں مسئلہ میں فلاں عالم دین سے غلطی ہوئی ہے اور اس کے بتائے ہوئے مسئلہ کے برخلاف ایسی صحیح حدیث موجود ہے جو اس کے علم و مطالعہ میں نہیں آ سکی مگر اس کے باوجود وہ اس کی اندھی تقلید یا اپنے کسی ذاتی مفاد کے پیش نظر اس مسئلہ میں اس کی غلطی ہی پر عمل کرتا رہے تو یہ نہ صرف گمراہی کی بات ہے بلکہ حدیثِ رسولؐ سے توہین آمیز سلوک کی جسارت بھی ہے......!

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ بڑے بڑے علماء وفقہاء نے دین وشریعت کی تشریح کے سلسلہ میں اپنے اپنے اَدوار میں جو خدمات انجام دیں، وہ ان کی علمی واجتہادی کاوشیں ہیں اور ظاہر ہے یہ ان کی بے لوث اور پُر اخلاص خدمات تھیں جو امت کے لیے انہوں نے پیش کیں۔ اس لیے اَول تو یہ سارا علمی وفقہی ذخیرہ پوری امت کی مشترکہ میراث ہے، کسی خاص گروہ یا مکتبِ فکر کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس مشترکہ میراث میں سے کسی حصہ کو محدود کر کے امت کو اس کے باقی حصہ سے محروم کرنے کی کوشش کرے۔

دوم یہ کہ یہ سب انسان تھے، بڑے سے بڑا عالم وفقیہ ہونے کے باوجود ان میں سے کوئی بھی نبی ورسول نہیں تھا اور نہ ہی کسی عالم وفقیہ یا محدث ومفسر نے یہ دعویٰ کیا کہ اس پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے یا اس کا ہر کہا، لکھا اور فرمایا ہوا حق ہے، بلکہ انسان ہونے کے ناطے اس سلسلہ میں جہاں انہوں نے بہت بڑی خدمت انجام دی وہاں ان سے غلطیاں بھی ہوئیں۔ بعض اوقات کسی مسئلہ میں انہوں نے اپنی فقہی بصیرت سے کوئی رائے قائم کی مگر انہیں یہ علم نہ ہو سکا کہ کوئی حدیث ان کی اس رائے کے خلاف بھی موجود ہے۔ بعض اوقات انہوں نے اپنے زمانے کے حالات کی مناسبت سے کسی مسئلہ میں اجتہاد فرمایا مگر بعد میں حالات بدل جانے کی وجہ سے ان کا اجتہاد غیر مفید ہو کر رہ گیا۔

اس لیے ان علماء وفقہاء کے فقہی استنباط اور اجتہادی آراء کے بارے میں جس طرح یہ کہنا درست نہیں کہ قیامت تک پیش آنے والے ہر مسئلہ کی وضاحت ان فقہاء نے اپنی کتبِ فقہ میں مرتب فرما دی ہے، اسی طرح ان کے بارے یہ کہنا بھی ٹھیک نہیں کہ ان کی کتبِ فقہ میں کسی طرح کی علمی واجتہادی غلطی کا کوئی امکان نہیں۔ درست رویہ یہی ہے کہ ہم قرآن وحدیث کی میزان پر ہر چیز کو تولیں اور جس میں جتنا وزن ہو اسے اتنی ہی حیثیت دیں اور اگر کسی بڑے سے بڑے عالم دین کی کوئی بات قرآن یا حدیث سے واضح

طور پر متصادم ہوتو اس کے مقابلہ میں قرآن وحدیث ہی کو ہمیشہ ترجیح دیں۔ یہی وہ درست طرزِ عمل ہے جس کی ہر دور کے بڑے علماء وفقہاء نے خود بھی اس امت کو تلقین کی ہے۔

اجتہاد کا دائرہ کار:

اجتہاد کے سلسلہ میں یہ بات یادر ہے کہ عبادات سے متعلقہ اَحکام میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ عبادات [نماز، روزہ، حج وغیرہ] سے متعلقہ بنیادی اَحکام تا قیامت اسی طرح رہیں گے جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے قول وفعل سے بتادیے ہیں البتہ اجتہاد کا دائرہ عبادات سے ہٹ کر شریعت کے باقی معاملات [نکاح وطلاق، خرید وفروخت، لین دین، دیوانی وفوجداری مقدمات وغیرہ] کے گرد گھومتا ہے۔ اوران باقی معاملات میں بھی جہاں قرآن یا حدیث کا واضح حکم موجود ہو، وہاں اجتہاد نہیں کیا جائے گا بلکہ اسی موجود حکم کی پیروی کی جائے گی اوراس کے مقابلہ میں ذاتی پسند وناپسند کو بالائے طاق رکھ دیا جائے گا۔

رائے واجتہاد کے وقت اس سے گریز درست نہیں:

گویا اجتہاد کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب کسی مسئلہ میں قرآن اورحدیث کا واضح حکم موجود نہ ہو۔لیکن اگر کوئی صاحبِ علم قرآن یا حدیث کا واضح حکم موجود ہونے کے باوجود اپنی رائے، قیاس اور ذاتی ترجیحات کو بنیاد بنا کر اپنے خیالات کا اظہار شروع فرمادیں تو ظاہر ہے پھر ایسے طرزِ عمل پر ثواب کی بجائے الٹا گناہ ہی حاصل ہوگا۔اسی طرح اگر کوئی صاحب پیش آمدہ کسی ایسے مسئلہ میں جس میں قرآن یا حدیث کا واضح حکم موجود نہ ہو، علم رکھنے کے باوجود اجتہاد سے گریز فرمائیں تو یہ رویہ بھی درست نہیں۔ذیل میں اس حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک بیان ملاحظہ فرمایئے، جو ہمارے ہاں پائی جانے والی اِفراط وتفریط کی بہت سی شکلوں کو حد اعتدال پر لاسکتا ہے:

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت ایسا تھا کہ ہم قاضی نہیں تھے اور نہ ہی اس منصب کے اہل تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا اہل بنادیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔آج کے بعد اگر تم میں سے کسی کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش ہو جس میں اسے فیصلہ کرنا ہے تو اسے چاہیے کہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرے اور اگر اللہ کی کتاب اس بارے خاموش ہو تو پھر اسے چاہیے کہ اس مسئلہ میں وہی فیصلہ کرے جو اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہو۔اور اگر اس کے سامنے کوئی ایسا معاملہ آئے جو اللہ کی

کتاب میں نہ ہو اور نہ ہی اللہ کے رسول ﷺ سے اس بارے کچھ منقول ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس میں وہی فیصلہ کرے جو نیک لوگوں نے اس بارے میں کیا ہو اور اگر اللہ کی کتاب، نبی کی سنت اور نیک لوگوں کی رائے تینوں میں سے کچھ بھی موجود نہ ہو تو پھر اس مسئلہ میں اسے اجتہاد کر کے اپنی رائے دے دینی چاہیے اور اسے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ میں تو [رائے دینے سے] ڈرتا ہو، میں تو [رائے دینے سے] ڈرتا ہوں۔ بے شک حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں بھی ہیں، لہذا جہاں شک پڑ جائے اسے چھوڑ دو اور جہاں شک نہ ہو اسے لے لو۔''(۱)

قرآن وحدیث کے منافی ہر رائے اور اجتہاد قابل ردّ ہے:

ہمارے لیے اصل معیار قرآن وحدیث ہی ہے۔ اگر قرآن یا حدیث میں کوئی ایسا مسئلہ دکھائی دے جو بظاہر ہماری عقل سے بالا ہو تو اسے محض اس بنیاد پر رد نہیں کیا جائے گا کہ یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اس لیے کہ دین کی سب باتیں اللہ کی طرف سے آئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کوئی بات ایسی نہیں ہو سکتی جسے غیر معقول کہا جا سکے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ذات ہے اور اس کی کوئی بات حکمت و دانائی سے خالی نہیں ہوتی۔ اگر وہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی تو اس کا مطلب ہے ہماری سمجھ میں نقص یا فتور ہے، جب کہ دین کی ہر بات نقص وعیب سے پاک ہے بشرطیکہ وہ قرآن یا صحیح حدیث سے ثابت ہو۔

- ہوا خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یہ صحیح حدیث کا مسئلہ ہے مگر آج تک کوئی اس کی علت یا حکمت تک نہیں پہنچ سکا کہ ایسا کیوں کہا گیا ہے حالانکہ عقل یہ کہتی ہے کہ ہوا خارج ہونے سے تو استنجاء کرنا چاہیے، اس لیے کہ اعضائے وضو کا تو اس میں کوئی قصور یا دخل نہیں لیکن حدیثِ رسول کا یہ فیصلہ ہے کہ وضو ہی کیا جائے اور ہم اس حدیث پر عمل کرنے کے پابند ہیں، خواہ ہمیں اس کی حکمت معلوم ہو یا نہ۔
- وضو کے بعد پاؤں میں موزے یا جرابیں پہنی ہوں تو ان پر مسح کیا جا سکتا ہے اور مسح کے سلسلہ میں جتنی بھی احادیث روایت ہوئی ہیں، ان میں مسح کا طریقہ بتاتے ہوئے پاؤں کے اوپر والے حصہ پر ہاتھ پھیرنے کا ذکر ملتا ہے حالانکہ عقل یہ کہتی ہے کہ چلتے وقت گرد وغبار وغیرہ تو پاؤں کے نچلے حصہ میں لگتا ہے، مگر اس کے باوجود مسح اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک حدیث کے مطابق پاؤں کے اوپر ہاتھ نہ پھیرا جائے۔

(۱) [سنن نسائی (ج۸ص ۲۳۰) مسند دارمی (ج۱ص ۷۱)]

○ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات کہی تھی کہ

((لَوْ كَانَ الدِّيْنُ بِالرَّأْيِ لَكَانَ اَسْفَلُ الْخُفِّ اَوْلٰى بِالْمَسْحِ مِنْ اَعْلَاهُ وَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُ عَلٰى ظَاهِرِ الْخُفَّيْنِ))

''اگر دین کی بنیاد محض رائے [عقل] پر ہوتی تو پھر مسح کے وقت پاؤں کے اوپر والے حصہ کے مقابلہ میں نچلا حصہ مسح کا زیادہ حق رکھتا تھا، جب کہ میں نے دیکھا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ [وضو کے وقت] موزوں کے اوپر والے حصہ پر مسح کرتے تھے۔''(1)

○ اسی طرح ابوالزنادؒ نامی ایک صاحبِ علم نے یہ صحیح کہا ہے:

((ان السنن ووجوہ الحق لتأتی کثیرا علی خلاف الرأی فمایجدالمسلمون بدامن اتباعھا))

''سنت اور حق کی بہت سی باتیں عقل و رائے کے خلاف دکھائی دیتی ہیں مگر مسلمانوں کے لیے اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ وہ سنت اور حق [دین] ہی کی پیروی کریں۔''(2)

○ اسی طرح امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ

''میں قاضی شریح کے پاس تھا کہ ایک آدمی آیا اور قاضی شریح سے کہنے لگا: انگلیوں کی دیت کتنی ہے؟ قاضی شریح نے کہا: ہر انگلی پر دس اونٹ۔ وہ اپنے انگوٹھے اور چھنگلی انگلی کو اکٹھا کر کے کہنے لگا: سبحان اللہ! کیا یہ برابر ہیں؟ [قاضی شریح نے سنت کی روشنی میں اسے جواب دیا تھا مگر جب اس نے اپنی عقل کی بنیاد پر اس مسئلہ پر اعتراض کیا تو] قاضی شریح نے کہا: اے سبحان اللہ کہنے والے! کیا تیرا کان اور ہاتھ ایک جیسے ہیں؟ جبکہ کان تو بالوں یا ٹوپی میں چھپا ہو تو نظر بھی نہیں آتا مگر اس کے باوجود اس میں بھی نصف دیت [یعنی پچاس اونٹ] ہیں اور ہاتھ [جو کان سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے] اس میں بھی نصف دیت ہے۔ تجھ پر افسوس! سنتِ رسول تمہارے قیاس سے بالاتر ہے لہٰذا سنت کی پیروی کرو اور بدعت کی طرف نہ جاؤ۔ اگر تم سنت کی پیروی کرو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ پھر اس کے بعد شعبیؒ نے اس سے کہا: اگر تمہارے قبیلے کا اہم ترین شخص قتل کر دیا جائے اور دوسری طرف گود کا بچہ قتل کر دیا جائے تو کیا دیت کے لحاظ سے یہ دونوں برابر ہوں گے؟ وہ آدمی کہنے لگا ہاں۔ تو شعبیؒ نے کہا: اب تمہارا قیاس کہاں گیا؟''(3)

(1) [ابوداؤد، کتاب الطھارۃ، باب کیف المسح (ح ۱۶۲)]

(2) [فتح الباری (ج ٤ ص ٢٢٥)] (3) [دارمی (۷۷/۱)]

[9]......سنتِ رسولؐ اور بدعت

بِـدْعَـتْ عربی زبان کا لفظ ہے جس میں کسی چیز کے ایجاد کرنے ، یا ابتداء کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ دنیوی معاملات میں لوگوں کے فائدے کے لیے کسی بھی چیز کی ایجاد نہایت مستحسن ہے مگر دینی معاملات میں کسی چیز کی ایجاد اتنی ہی قبیح ہے کیونکہ دنیوی ایجادات کا تعلق تو انسانی علم و تحقیق اور تجربہ و مشاہدہ کے ساتھ ہے جس کا دروازہ تا قیامت کھلا ہے جبکہ دینی معاملات کا تعلق اِلہامی تعلیمات سے ہے اور وہ اللہ کی طرف سے صرف کسی نبی ہی کو عطا کی جاتی ہیں اور نبی وہ اِلہامی تعلیمات آگے اپنی اُمت کو منتقل کر دیتا ہے۔

گویا نبی کی طرف سے اُمت کو جو چیز دی جاتی ہے صرف وہی دین قرار پاتی ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ چونکہ آخری نبی ہیں، اس لیے آپ ﷺ کی تعلیمات بھی آخری دین کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چیز دین کی حیثیت نہیں رکھتی خواہ محمد ﷺ سے پہلے اسے دین کی حیثیت ہی سے کیوں نہ نازل کیا گیا ہو۔ اسی طرح نبویؐ تعلیمات کی روشنی میں کیے جانے والے اہل علم کے اجتہاد اور فقہ و استنباط کو بھی دین و شریعت کا درجہ بہر حال حاصل نہیں ہوتا کیونکہ دین و شریعت صرف اور صرف وہی چیز ہے جو نبی کریم ﷺ نے دین و شریعت کی حیثیت سے پیش کر دی ہے۔ اس لیے اب تا قیامت ہر وہ چیز بِدْعَتْ کہلائے گی جو دین کی حیثیت سے پیش کی جائے مگر نبویؐ تعلیمات سے اس کا کوئی ثبوت اور جواز میسر نہ ہو۔

دین اسلام میں بدعت جاری کرنے یا بدعت پر عمل کرنے کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ بدعت نکالنا اور اسے اختیار کرنا دین سازی کے مترادف ہے اور دین سازی کا اختیار اللہ نے نبی و رسول کے علاوہ اور کسی کو نہیں دیا۔ اب ایک شخص جسے نبی کی حیثیت حاصل نہ ہو اور اس کے باوجود وہ دین سازی کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز برداشت نہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر بدعت کے بارے میں سختی اختیار نہ کی جاتی تو وقت گزرنے کے ساتھ دین کا حلیہ ہی بدل کر رہ جاتا اور اسلام کا اپنا کوئی تشخص باقی نہ رہتا۔ اس لیے کہ اسلام نے بھی ایک تہذیب کی بنیاد ڈالی ہے اور ہر تہذیب دوسری تہذیب پر اَثر انداز بھی ہوتی ہے اور اَثر قبول بھی کرتی ہے۔ بالخصوص غالب تہذیب اپنے غلبہ و اقتدار کی وجہ سے مغلوب تہذیب پر کچھ زیادہ ہی اَثر انداز ہوتی ہے۔ اگر اسلام کا اپنا

تشخص، اپنے اصول وقواعد اور اپنا خاص طرزِ تمدن نہ ہوتا اور بدعت سے گریز کا حکم نہ ہوتا تو امت مسلمہ کی مغلوبیت کے دور میں اسلام کی اصل تصویر ہی دنیا سے مٹ جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ برصغیر میں مسلمانوں نے اگر چہ ہندوانہ تہذیب کے ساتھ ایک لمبا وقت گزارا مگر اس کے باوجود مسلمانوں کا جداگانہ تشخص بہت حد تک باقی رہا، ورنہ ہندوانہ تہذیب اس خطہ میں آنے والی ہر قوم کو اپنے رنگ میں رنگ لیتی تھی۔

اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہندوؤں کے ساتھ ہزار سال گزارنے کے باوجود ہمارے اندر کوئی بدعت نہیں آئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر کے مسلمان بہت سی بدعات کا شکار ہوئے اور ان میں سے زیادہ تر بدعات ہندوانہ رسومات ہی کے مختلف روپ ہیں۔

آئندہ سطور میں بدعت کی مذمت کے بارے چند صحیح اَحادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱)......((عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ :كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا خَطَبَ يَقُوْلُ ...... فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرَ الْهَدْيِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو فرماتے: ''بہترین بات اللہ کی کتاب [کی بات] ہے اور بہترین طریقہ ہدایت محمد ﷺ کا طریقۂ ہدایت ہے اور بدترین کام دین میں نئی بات ایجاد کرنا ہے اور ہر بدعت [دین میں نئی ایجاد شدہ چیز] گمراہی ہے۔''(۱)

۲)......((عن سهل بن سعد قال قال النبیؐ: اِنِّیْ فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ اَبَدًا لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنِیْ ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِیْ وَبَيْنَهُمْ ...... فَاَقُوْلُ اِنَّهُمْ مِنِّیْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِیْ))(۲)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''میں حوضِ کوثر پر تمہارا استقبال کرنے والا ہوں گا، جو وہاں میرے پاس آئے گا، وہ پانی پیئے گا اور جس نے [حوض کوثر سے] ایک بار پی لیا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ بعض ایسے لوگ بھی آئیں گے جنہیں میں پہچان لوں گا [یعنی اپنا امتی سمجھوں گا] اور وہ بھی مجھے پہچان لیں گے [کہ میں ان کا رسول ہوں] پھر انہیں مجھ تک آنے سے روک دیا جائے گا۔ میں کہوں گا یہ تو میرے امتی ہیں لیکن مجھے بتایا جائے گا: ''آپ نہیں جانتے کہ آپؐ کے بعد ان لوگوں نے کیسی کیسی بدعتیں رائج کیں۔'' تو میں کہوں گا: ''دوری ہو، دوری

(۱) [صحیح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة (ح ٨٦٧)]

(۲) [صحیح بخاری، كتاب الرقاق، باب فی الحوض (ح٦٥٨٣-٦٥٨٤)]

ہو، ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے میرے بعد دین بدل ڈالا۔"

٣)......((عن العرباض عنه قال قال رسول الله ﷺ: اِیَّاکُمْ وَالْبِدَعِ))

حضرت عرباض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "لوگو! بدعات سے بچو۔"(١)

٤)......((عن انس بن مالك قال قال رسول الله ﷺ : اِنَّ اللّٰهَ حَجَبَ التَّوْبَةَ عَنْ كُلِّ صَاحِبِ بِدْعَةٍ حَتّٰى يَدَعَ بِدْعَتَهٗ))

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس وقت تک بدعتی کی توبہ قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ بدعت نہ چھوڑے۔"(٢)

٥)......((عَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ قَالَ: اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَائِرٍ اِلٰى كَذَا مَنْ اَحْدَثَ فِيْهَا حَدَثًا اَوْآوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ))

حضرت علی سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "مدینہ منورہ عائر پہاڑی سے لے کر فلاں مقام تک حرم ہے۔ جس نے اس حد کے اندر کوئی بدعت نکالی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ، تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ نہ اس کی کوئی فرض عبادت قبول ہے اور نہ ہی نفل۔"(٣)

٦)......((عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال: اَبْغَضُ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ: مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَمُبْتَغٍ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيْقَ دَمَهٗ))

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین آدمی اللہ کے ہاں سب سے زیادہ مغضوب ہیں: (١) حرم شریف کی حرمت پامال کرنے والا (٢) اسلام میں جاہلیت کا طریقہ تلاش کرنے والا (٣) کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنے کا ارادہ رکھنے والا۔"(٤)

٧)......حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ دیہاتی لوگ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے، انہوں نے اُون کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ آپ نے ان کی ظاہری حالت سے اندازہ کرلیا کہ یہ مفلوک الحال اور ضرورت مند ہیں، چنانچہ آپ نے لوگوں کو رغبت دلائی کہ وہ ان پر صدقہ کریں۔ لوگوں نے ان کی امداد میں کچھ تاخیر کردی حتی کہ اللہ کے رسول ﷺ کے چہرے پر

(١) [السنة، لابن ابی عاصم، تحقیق البانی (ح٣٤)] (٢) [صحیح الترغیب والترهیب (ح٥٢)]

(٣) [صحیح بخاری، کتاب فضائل المدینة، باب حرم المدینة (ح١٨٧٠)]

(٤) [بخاری، کتاب الدیات، باب من طلب دم امرء ی بغیر حق (ح٦٨٨٢)]

ناخوشگوار اثرات ظاہر ہونے لگے۔اسی دوران ایک انصاری صحابیؓ چاندی سے بھری ایک تھیلی اٹھا کر لایا[اسے دیکھادیکھی] ایک اور صحابی صدقہ کے لیے مال لے آیا پھر صدقہ لے کر آنے والوں کی قطار لگ گئی حتی کہ آپؐ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہو گئے۔اس موقع پر آپؐ نے فرمایا:

((مَنْ سَنَّ فِی الْاسلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعَمِلَ بها بعدَهُ کتبَ لَهُ مثلُ أجرِمن عمل بِهَا وَلَایَنْقَصُ مِنْ اُجُورِهِمْ شَیْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سَنَةً سَیِّئَةً فَعَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ کُتِبَ عَلَیْهِ مِثْلُ وِزْرِمَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا یُنْقَصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَیْءٌ))

''جس شخص نے اسلام میں اچھے کام کی پہل کی پھر اس کے بعد اس پر عمل شروع ہو گیا تو اسے ہر اس شخص کے برابر مزید اجر ملے گا جو اس پر عمل کرے گا اور دیگر عمل کرنے والوں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔اور جس شخص نے اسلام میں کسی برے عمل میں پہل کی اور پھر اس برے عمل پر لوگ کاربند ہو گئے تو اسے ہر اس شخص کے برابر مزید گناہ ملے گا جو اس برے عمل کا مرتکب ہو گا اور اس برے عمل کا ارتکاب کرنے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔''(۱)

۸)......((عن کثیربن عبداللہ بن عمروبن عوف المزنی حدثنی ابی عن جدی ان رسول اللہ ﷺ قال:مَنْ اَحْیَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِیْ فَعَمِلَ بِهَا النَّاسُ کَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِمَنْ عَمِلَ بِهَا لَایُنْقَصُ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَّمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً فَعَمِلَ بِهَا کَانَ عَلَیْهَا اَوْزَارُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا یُنْقَصُ مِنْ اَوْزَارِمَنْ عَمِلَ بِهَاشَیْئًا))

کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف مزنی فرماتے ہیں کہ مجھے میرے باپ نے،اور میرے باپ کو ان کے دادا نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''جس نے میری سنتوں میں سے کوئی ایک سنت زندہ کی اور لوگوں نے اس پر عمل کیا تو سنت زندہ کرنے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس سنت پر عمل کرنے والے۔ایک کو ملے گا اور ان کے اپنے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جس نے کوئی بدعت جاری کی اور پھر اس پر لوگوں نے عمل کیا تو بدعت جاری کرنے والے پر ان تمام لوگوں کا گناہ بھی ہو گا جو اس بدعت پر عمل کریں گے جبکہ اس بدعت پر عمل کرنے والوں کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔''(۲)

(۱) [صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة او سیئة......(ح۱۵۔ح۱۰۱۷)]
(۲) [ابن ماجه،المقدمه،باب من احیاسنة (ح۲۰۹)صحیح ابن ماجه للالبانی (ح۱۷۳)ترمذی مثله(ح۲۶۷۷)]

۹)......ایک انصاری صحابی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس بنوعبدالمطلب کی کسی لونڈی کے بارے میں تذکرہ کیا گیا کہ وہ ساری رات نماز پڑھتی اور روزانہ روزہ رکھتی ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا:

((لٰكِنِّيْ أَنَا أَنَامُ وَأُصَلِّيْ وَأَصُوْمُ وَأُفْطِرُ فَمَنِ اقْتَدٰى بِيْ فَهُوَ مِنِّيْ وَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ إِنَّ لِكُلِّ عَمَلٍ شِرَّةً ثُمَّ فَتْرَةً فَمَنْ كَانَتْ فَتْرَتُهُ إِلٰى بِدْعَةٍ فَقَدْ ضَلَّ وَمَنْ كَانَتْ فَتْرَتُهُ إِلٰى سُنَّتِيْ فَقَدِ اهْتَدٰى))

لیکن میں تو رات کو سوتا بھی ہوں اور نماز [تہجد] بھی پڑھتا ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں پس جس نے میری اقتدا کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ یاد رکھو! ہر عمل کے ساتھ انسان کو شروع میں جذباتی تعلق اور شدید محبت ہوتی ہے بعد میں اس کی محبت میں کمی اور ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے، اگر تو یہ ٹھہراؤ بدعت پر ہو تو انسان گمراہ ہو گیا اور اگر یہ میری سنت پر ہو تو انسان ہدایت پا گیا۔"[1]

۱۰)......((عَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِنَ السُّنَّةِ مِثْلُهَا فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ إِحْدَاثِ بِدْعَةٍ))

حضرت غضیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "جو قوم کوئی بدعت جاری کرے، ان سے اس بدعت کے مقابلے میں سنت اٹھالی جاتی ہے، پس سنت کو لازم پکڑنا بدعت اختیار کرنے سے بہت بہتر ہے۔"[2]

حضرت غضیف رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث اس وقت بیان کی جب ان کے دور میں عبدالملک بن مروان نے بعض بدعات شروع کر دیں اور حضرت غضیف کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کے ساتھ شرکت کریں مگر حضرت غضیف نے ان کے خلافِ سنت کاموں میں شرکت کرنے سے صاف انکار کر دیا اور انہیں بدعت قرار دیتے ہوئے یہ حدیثِ نبوی سنائی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی بدعات و خرافات سے بچنے اور سنتِ رسولؐ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!



(۱) [احمد(۵/۴۰۹-۲/۱۶۵) السنه لابن ابی عاصم(۱/۲۸) ابن حبان(۲/۳۴۹) مجمع الزوائد(۳/۱۹۳)]
(۲) [مسند احمد(ج۴ ص۱۰۵) فتح الباری(ج۱۳ ص۲۶۷) فیض القدیر(ج۵ ص۴۱۲، ۴۱۳)]

مصنف کی دیگر تحقیقی و اصلاحی مطبوعات

[جدید اسلوب اور عام فہم انداز کے ساتھ......معیاری اور مستند لٹریچر]

[1]......سلسلۂ اصلاح عقائد

(۱): اللہ اور انسان ......[عقیدۂ توحید اور ایمان باللہ کا بیان]

(۲): انسان اور رہبرِ انسانیت ......[عقیدۂ رسالت اور اتباعِ سنت کا بیان]

(۳): انسان اور قرآن ......[قرآن کے ساتھ ایمان و عمل کے تعلق کی مضبوطی کا بیان]

(٤): انسان اور فرشتے ......[فرشتوں پر ایمان اور انسانوں کے ساتھ انکے تعلقات کا بیان]

(٥): انسان اور شیطان......[شیطان کی حقیقت اور اسکے مکر و فریب سے بچاؤ کا بیان]

(٦): انسان اور جادو جنات......[جادو جنات کے توڑ اور روحانی علاج معالجہ کا بیان]

(۷): انسان اور کالے پیلے علوم......[عقائد کی خرابی کا باعث بننے والے علوم کا بیان]

(۸): انسان اور آخرت......[موت، قبر، برزخ، قیامت، محشر اور جنت و جہنم کا بیان]

(۹): انسان اور قسمت......[تقدیر پر ایمان اور اس سے متعلقہ مسائل و احکام کا بیان]

(۱۰): انسان اور کفر......[نواقضِ ایمان اور ضوابطِ تکفیر کا بیان]

[2]......سلسلۂ اصلاح خاندان

(۱): ھدیة العروس......[ازدواجی و خانگی احکام و مسائل کا بیان]

(۲): ھدیة الوالدین......[اولاد اور والدین کے باہمی مسائل و احکام کا بیان]

(۳): ھدیة النساء......[خواتین کی دینی و اخلاقی تربیت اور احکامِ نسواں کا بیان]

[3]......مصنف کی دیگر تصنیفات

(۱): **انسان اور نیکی:** [قیمت ۱۲۰ روپے]

(۲): **انسان اور گناہ:** [قیمت ۲۰۰ روپے]

(۳): **جدید فقهی مسائل** : [قیمت ۲۱۰ روپے]

(٤): **قیامت کی نشانیاں:** [قیمت ۱۵۰ روپے]

(٥): **پیش گوئیوں کی حقیقت:** [قیمت ۱۵۰ روپے]

(٦): **اسلام میں تصور جهاد:** [قیمت ۱٦۰ روپے]

(۷): **جهاد اور دهشت گردی:** [قیمت ۱۵۰ روپے]

(۸): **جهیز کی تباہ کاریاں:** [قیمت ٦۰ روپے]

(۹): **شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور موجودہ مسلمان:** [قیمت ۴۵]

(۱۰): **خوشگوار گهریلو زندگی:** [قیمت ۱۲۰ روپے]

(۱۱): **موسیقی حرام نهیں؟** : [قیمت ۱۳۰ روپے]

تصنیف: علامہ ناصر الدین البانیؒ **ترجمه وترتیب:** مولانا جمیل اختر۔**اعداد واضافه:** حافظ مبشر حسین

(۱۲): **جادو، جنات اور نظرِ بد کا توڑ:** [قیمت ٦۰ روپے]

تصنیف وافادات: امام ابن تیمیہؒ، حافظ ابن قیمؒ، حافظ ابن کثیرؒ

ترجمه وترتیب: مولانا جمیل اختر **نظر ثانی:** حافظ مبشر حسین

سلسلہ اصلاحِ عقائِد

ایک نئے اور عام فہم اُسلوب میں
حافظ مبشر حُسین کی مطبوعات

- انسان اور نیکی
- اللہ اور انسان [عقیدۂ توحید کا بیان]
- انسان اور رہبر انسانیت ﷺ [عقیدۂ رسالت اور اتباعِ سنت کا بیان]
- انسان اور قرآن [قرآن مجید کے ساتھ ایمان وعمل کے تعلق کی مضبوطی کا بیان]
- انسان اور فرشتے [فرشتوں پر ایمان اور انسانوں کے ساتھ ان کے عجیب وغریب تعلقات کا بیان]
- انسان اور شیطان [شیطان کی حقیقت اور اس کے مکروفریب سے بچاؤ کی تدابیر کا بیان]
- انسان اور کالے پیلے علوم [عقائد کی خرابی کا ذریعہ بننے والے علوم کا بیان]
- انسان اور آخرت [موت کے بعد پیش آنے والے جملہ اُخروی مراحل کا بیان]
- انسان اور قسمت [قسمت وتقدیر اور محنت وکوشش کا بیان]
- انسان اور کفر [نواقضِ ایمان اور ضوابطِ تکفیر کا بیان]

خصوصیات: عام فہم اور دلچسپ اُسلوب قرآن وسنت سے اِستدلال؛ فکر سلف کی ترجمانی صحتِ دلائل اور صحتِ استدلال؛ گمراہانہ افکار وعقائد کا رد؛ شستہ انداز اور معتدل فکر؛ تعصب اور طنز وتشنیع سے پاک؛ مستند حوالہ جات کا اہتمام اور ناقابلِ حجت روایات سے اجتناب

اریب

MAX. RETAIL PRICE INCL. OF ALL TAXES RS 80.

Areeb Publications
1542, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2 (India)
Ph : 23284740, 23282550 Tel-Fax : 91-11-23267510
e-mail : apd1542@gmail.com